ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
جلد 11 شمارہ 02
فروری 2025ء

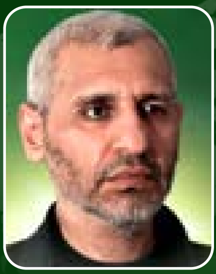

مجاہدین حماس کا سالار
محمد الضیف
شہدائے غزہ کا سپہ سالار بھی ٹھہرا

جنگ بندی ایک طرف
اسرائیل سے قیدی بے حال۔۔۔حماس سے رہا ہوئے یہودی خوشحال

کیا حتمی جنگ اسرائیل میں ہوگی؟

- گریٹر اسرائیل اور گریٹر مشرقِ وسطیٰ کے خواب!
- طاقت کی ہار اور عزم کی جیت
- جو بائیڈن کا تحفہ: 8 ارب ڈالر کا مزید اسلحہ
- اسرائیل کو لازوال معاشی بدحالی کا سامنا

حماس اسرائیل معاہدہ: حماس نے سب کو پسپا کر دیا

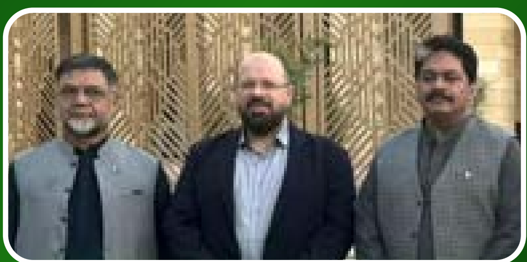

سندھ اسمبلی میں حماس کے وفد کا استقبال

اے سرزمین قدس۔۔۔ہم آ رہے ہیں

مجاہدین حماس کا سالار محمد الضیف

شہدائے غزہ کا سپہ سالار بھی ٹھہرا

فلسطین کی اسلامی تحریک مزاحمت [حماس] کے عسکری بازو عزالدین القسام بریگیڈ کے کمانڈر انچیف اور اسرائیل کے خلاف آپریشن الاقصیٰ فلڈ شروع کرنے والے محمد الضیف 1965 کو غزہ کے خان یونس پناہ گزین کیمپ میں پیدا ہوئے۔

محمد الضیف کا پیدائشی نام محمد دیاب ابراہیم المصری تھا، لیکن اسرائیلی فضائی حملوں میں بچ نکلنے کے بعد انہوں نے خانہ بدوش طرز زندگی اختیار کیا اور الضیف [یعنی مہمان] کے نام سے مشہور ہو گئے۔

محمد الضیف کا فکری میلان الاخوان المسلمین کی طرف تھا۔ ابتدا میں وہ ثقافتی وفنی مزاحمت کے ذریعے فلسطینی عوام میں بیداری پیدا کرنے کے مشن سے وابستہ رہے؛ جہاں انہوں نے "العائدون" نامی فنی طائفے کے پلیٹ فارم سے فلسطینی شناخت اور جدوجہد کو اجاگر کیا۔

اسرائیلی فوج نے انہیں 1989 عزالدین القسام بریگیڈ سے وابستگی کی پاداش میں گرفتار کیا۔ جیل میں انہوں نے القسام بریگیڈ کے بانی صلاح شحادۃ کے ساتھ قریبی تعلق قائم کرتے ہوئے قابض اسرائیل کے خلاف منظم مسلح مزاحمت کی ٹھوس منصوبہ بندی کی۔

رہائی کے بعد، محمد الضیف نے القسام بریگیڈ میں عسکری تربیت حاصل کی اور جلد ہی ایک اہم جنگی منصوبہ ساز کے طور پر سامنے آئے۔ کمانڈر عماد عقل اور صلاح شحادۃ کی یکے بعد دیگرے شہادت کے بعد، وہ القسام بریگیڈ کے سپریم کمانڈر بن گئے۔

انہوں نے اسرائیلی قابض افواج کے خلاف متعدد مؤثر حملوں کی نگرانی کی۔

2011 میں اسرائیلی سپاہی گیلاد شالیت کے بدلے 1,027 فلسطینی قیدیوں کی رہائی الضیف کی عسکری حکمت عملی کی بڑی کامیابیوں میں شمار ہوتی ہے۔

اسرائیل کے 2021 میں مسجد الاقصیٰ پر حملے اور القدس کی شیخ جراح کالونی میں فلسطینیوں کی بے دخلی کا جواب الضیف نے غزہ سے "سیف القدس" آپریشن کے ذریعے دیا۔ جس سے فلسطینی مزاحمت کی طاقت کو دنیا کے سامنے آشکار ہوئی۔

محمد الضیف کی قیادت میں سات اکتوبر 2023 کو کئے گئے الاقصیٰ فلڈ نامی آپریشن نے اسرائیل کے دفاعی نظام کی چولیں ہلا دیں۔

صہیونی دشمن کو انتہائی مطلوب محمد الضیف پر کئی مرتبہ ناکام قاتلانہ حملے ہوئے؛ تاہم رواں سال 30 جنوری یہ عظیم سپہ سالار ایک حملے میں ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔

سندھ اسمبلی میں حماس کے وفد کا استقبال

سندھ اسمبلی نے حماس کے ترجمان اور مغربی ایشیا کے امور کے سربراہ، ڈاکٹر خالد قدومی، کا 27 جنوری بروز پیر کے اجلاس میں پُرتپاک استقبال کیا۔

یہ دورہ متحدہ قومی موومنٹ (MQM-P) کے رہنما اور اپوزیشن لیڈر علی خورشیدی اور ایم کیو ایم کے رکن اسمبلی صابر حسین قائم خانی کی دعوت پر ہوا۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے ڈپٹی اسپیکر، انتھونی نوید نے بھی ڈاکٹر خالد قدومی کا اسمبلی میں استقبال کیا۔

اجلاس میں وزیر بلدیات اور پیپلز پارٹی کے رہنما ناصر حسین شاہ، تحریک انصاف کے رکن اسمبلی محمد شبیر قریشی، اور جماعت اسلامی کے رکن اسمبلی محمد فاروق نے شرکت کی۔

سندھ اسمبلی کی مختلف پارلیمانی جماعتوں، بشمول پاکستان پیپلز پارٹی (حکومتی جماعت)، تحریک انصاف، متحدہ قومی موومنٹ، اور جماعت اسلامی کے اراکین نے ڈاکٹر خالد قدومی کے ساتھ علیحدہ اجلاس منعقد کیا۔ ان ملاقاتوں میں فلسطینی مسئلے پر تازہ ترین صورتحال اور غزہ پر اسرائیلی حملے کے بعد کے حالات پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

اسمبلی اجلاس کے دوران مختلف مقررین نے حماس اور القسام بریگیڈ کی مزاحمت، اسلامی اصولوں کے تحت قیدیوں کی رہائی، اور فلسطینی عوام کی جرات واستقامت کو سراہا۔

پیپلز پارٹی کے رہنما اور وزیر بلدیات ناصر حسین شاہ نے کہا کہ تمام سیاسی قیادت فلسطین کے مسئلے پر یکجا ہے۔ انہوں نے صدر پاکستان آصف علی زرداری، پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری، اور سندھ کے عوام کی جانب سے حماس کے ترجمان کو خوش آمدید کہا۔

تحریک انصاف کے رکن محمد شبیر قریشی نے کہا کہ فلسطین کے مسئلے کو سیاسی اختلافات سے بالاتر ہو کر اتحاد کے ذریعے اجاگر کیا جانا چاہیے۔ انہوں نے کہا، ''ہم عمران خان کے کارکنان، فلسطینی عوام کی قربانیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی بہادری کو سلام پیش کرتے ہیں۔''

جماعت اسلامی کے رکن محمد فاروق نے کہا، ''ہم حماس کے ترجمان کا استقبال کرتے ہیں اور خوش ہیں کہ حماس کی قیادت، جو آج بہادری اور عزم کی علامت بن چکی ہے، ہمارے درمیان موجود ہے۔ ہم ہر موقع پر ان کے ساتھ کھڑے ہیں۔''

متحدہ قومی موومنٹ کے رہنما نے فلسطینی عوام کی قربانیوں اور مزاحمت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا، ''حماس کی مزاحمت ہمارے لیے فخر کا باعث ہے۔''

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 11 شمارہ 02 فروری 2025ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com
برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com
برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

- کلام اقبال
- اداریہ

حماس اسرائیل معاہدہ: حماس نے سب کو پسپا کر دیا

گریٹر اسرائیل اور گریٹر مشرق وسطیٰ کے خواب

اسرائیل و حماس کے درمیان جنگ بندی۔۔۔

7 اکتوبر 2023ء کو حماس نے قابض اسرائیل پر حملہ کیوں کیا؟

- جو بائیڈن کا تحفہ: سیز فائر کرانے کا دعویٰ، 8 ارب ڈالر کا مزید اسلحہ
- اسرائیل کو لازوال معاشی بدحالی کا سامنا ہے
- اسرائیلی یرغمالی کے والد کے تاثرات: نیتن یاہو جنگی مجرم
- انسانی تذلیل کی کرب ناک داستان مریم المقید کی کم سن زبان سناتی ہے
- مغربی کنارہ: صہیونیت و نصرانیت کی متوازی قتل گاہ
- طوفانِ بادوباراں، اُڑتے کیمپ، بکھرتے اہل خانہ
- اسرائیلی جارحیت اور غزہ میں نسل کشی کے 470 دن
- امریکہ میں صہیونیت کا مورچہ: آئی پیک

کلامِ اقبال

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کِیا تُو نے

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کِیا تُو نے
وہ کیا گردُوں تھا تُو جس کا ہے اک ٹُوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبّت میں
کُچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تمدّن آفریں، خلّاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا
سماں 'الفُقْرُ و فَخرْی' کا رہا شانِ امارت میں
"بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت رُوے زیبا را"
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ مُنعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض مَیں کیا کہُوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیّل سے فزوں تر ہے وہ نظّارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گُفتار وہ کردار، تُو ثابت وہ سیّارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثُریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلَّم سے کوئی چارا
مگر وہ عِلم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
"غنیؔ! روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کُن
کہ نُورِ دیدہ اش روشن کُند چشمِ زلیخا را"

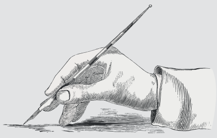

اداریہ

کیا حتمی جنگ اسرائیل میں ہوگی؟

غزہ میں سیز فائر کے ابتدائی مرحلے میں اسرائیلی یرغمالیوں اور فلسطینی اسیران کا تبادلہ عمل میں آیا ہے۔ان یرغمالیوں کی اور فلسطینی اسیران کی صحت نے دکھا دیا ہے کہ حماس نے مکمل اسلامی کردار کا مظاہرہ کیا ہے اوران یرغمالیوں کو''مہمان خصوصی'' کے طور پر رکھا ہے۔دوسری طرف رہائی پانے والے فلسطینی اسرائیلی اذیت کدوں سے نہایت تلخ یادیں سمیٹتے آئے، برسوں بعد رہائی ملی اور گھروں میں یا کھنڈروں میں پہنچ کر پیغام ملا کرکسی کی بیوی، بیٹی، باپ اور ماں زندہ نہ رہے،کوئی ماں کی لحد سے لپٹ کر روتا نظر آیا۔خود یہ اسیران تشدد کے جس امتحان سے گزرے، وہ بھی الگ داستان ہے۔

اس عمل کی تکمیل ان حالات میں ہوئی ہے کہ غزہ سے خالی ہاتھ لوٹنے کے بعد اسرائیل مغربی کنارے سے سب کچھ سمیٹنا چاہتا ہے۔تازہ واردات میں بیس گھروں کو شدید بمباری سے تباہ کر دیا گیا ہے۔امریکہ کے نومنتخب صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے بیانات،تقریروں اور اقدامات سے یوں لگتا ہے کہ انہیں بنجمن نیتن یاہو سے کہیں زیادہ اس بات کا دکھ ہے کہ حماس کو تباہ نہیں کیا جاسکا۔جو بائیڈن تباہی کی علامت بن گئے۔وہ اوران کے پرانے دوست بنجمن نیتن یاہو اپنے ہرکارے اینٹنی بلنکن کے ساتھ مل کر ہر فلسطینی کی محض گنتی کرتے رہے، آج اتنے مارے گئے، کل زیادہ مارے تھے، اب آنے والے کل میں یہ گنتی پوری کریں گے۔تینوں نے ایک زبان ہو کر کہا اور اب ٹرمپ نے امریکی ہولوکاسٹ میموریل کونسل کے چیئرمین کو تقررنامہ تھمایا ہے۔وہ بھی کہتے ہیں کہ ہر فلسطینی بنیادی طور پر برائی ہے، یہ کسی بھی رحم کے مستحق نہیں۔

دنیا کو ضرور حیرت ہوئی ہے کہ غزہ کی تباہی شدہ عمارتوں سے اسرائیل کے تازہ دم، ہشاش بشاش چہروں اور یرغمال ہونے سے پہلے کی نسبت زیادہ کھلی کھلی رنگ، بہتر صحت کے ساتھ یرغمالی رہا ہوئے، ان سے دوران حراست کسی قسم کا تشدد نہیں ہوا۔ان کے میزبان تو محض''انسانی حیوان'' تھے، پھر ان کی اس قدر انہوں نے آؤ بھگت کیوں کی۔کسی نے نہیں کہا کہ حماس کے جنگ جوؤں نے انہیں کبھی ہراساں کیا یا کسی نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

مغربی کنارے کے رہائشی 450 سال کی قید کاٹ رہے تھے۔کوئی دریافت کرنے والا بھی نہیں کہ کس قانون کے تحت کسی کو اس قدر طویل سزا دیتا ہے۔انہیں جیل میں 37 برس گزر چکے تھے۔واپس آئے تو ماں نہ رہی تھی۔اس کی قبر پر انہیں لے جایا گیا تو اس سے لپٹ کر روتے رہے۔ایک اور فلسطینی 23 سال گزار کے آئے تھے۔ان کی کہانی ان کی زبانی سننا ہی بہتر ہوگا۔

مبصرین، تجزیہ نگاروں، ماہرین نے یہ بھی دیکھا اور یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ دشمن اسرائیل کے یرغمالیوں کو ان کے مکمل کوائف سے جاننے والے یہ انسانی حیوان اس قدر منظم کیسے ہوئے کہ برسوں پہلے گرفتار ہونے والے، غائب کیے جانے والے، تعذیب کدوں میں گم کر دینے والوں کے بھی مکمل اور اپ ڈیٹ کوائف ان کے پاس تھے۔یہ ان کی صلاحیت ہی ہے جسے اسرائیل اور امریکہ ان سے چھین نہ سکے۔

اگر ذرا سی دیر کے لیے رک کر دیکھیں تو افغانستان سے بھی ایسی مثالیں دنیا کے سامنے آئیں۔غیر ملکی مرد بھی اور خواتین بھی، مجاہدین کے زیر اثر آئیں اور رہائی پر کہنے پر مجبور ہوگئیں کہ انہیں کسی نے گھور کر بھی نہ دیکھا۔

اسرائیل نے کیا کردار ادا کیا؟ اٹھائے جانوں والوں سے مسلسل ایک ہی سوالنامہ پوچھتے رہتے، تشدد کرتے، انسانیت کی تذلیل کرتے، قہقہے بلند کرتے جیل حکام اور فوجی خود انسانیت سے میلوں دور تھے۔کوس تو اب پرانا فاصلہ ہوگیا۔

اگر اس وقت دکھ اور افسوس کے ساتھ شدید ندامت کی بات ہے تو وہ یہ ہے کہ اہل غزہ نے ثابت کیا کہ وہ سچے اور پکے مسلمان ہیں، انہوں نے کسی طاغوت کو مدد کے لئے نہیں پکارا۔زخموں سے چھلنی نوجوان نے بستر مرگ سے کہا کہ''آجاؤ، جو منظر میں دیکھ رہا ہوں، وہ میری نگاہوں کے سامنے ہے، وعدہ شدہ جنت کے میدان ہیں، انواع واقسام کے باغ اور پھل ہیں، آجاؤ کہ جنت سامنے ہے۔'' یہ کہا اور کلمۂ حق پڑھتا شہید ہوگیا۔وہ کم سن بچی کون ظالم بھول سکتا ہے جو تباہ شدہ عمارتوں کے درمیان سڑک پر ننگے پاؤں بھاگ رہی تھی، بال بکھرے اور چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔وہ مسلسل کہے جارہی تھی:''اللہ، اللہ، اللہ، جب ننھی جان کو اندازہ ہوگیا کہ آواز نہیں آرہی تو چیختی ہوئی پکارنے لگی۔۔اللہ۔۔اور اس نوجوان کو کیسے بھلا دیں کہ ہسپتال کے بیڈ پر لیٹا ہے۔زخمی ہے، ٹانگ کاٹنی ہے، بے ہوش کرنے کی دوا نہیں۔

ڈاکٹروں کو مشکل میں دیکھ کر کہتا ہے کہ میں قرآن پڑھتا ہوں، آپ اپنا کام کیجئے۔اللہ، اللہ، کیا ایمانی قوت ہے، ٹانگ کاٹی جارہی ہے اور وہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہے۔غالباً حضرت عمر فاروقؓ تھے یا حضرت علیؓ تھے ٹخنے میں تیر پیوست ہے، نکالنے کی کوشش درد کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔فرماتے ہیں کہ میں دو نوافل شروع کرتا ہوں، آپ تیر نکال لیں۔نماز شروع کرتے ہیں، جب نماز ختم ہوتی ہے تو دریافت کرتے ہیں،''تیر نکال لیا؟'' جواب ملتا ہے کہ وہ تو پہلی رکعت کے دوران ہی

نکال دیا تھا۔ یہی ان صحابہؓ کے دلیر پیروکار تھے جو غزہ میں تھے۔ ہر دم بچہ ہو یا بوڑھا، پکارتا تھا:

حسبی اللہ ونعم الوکیل

اگر آج کوئی ان دکھوں کو ضبط تحریر میں لانا چاہے تو وہ ضرور لکھے گا کہ خود کمسن بچی اپنے بیمار بھائی کو گود میں اٹھائے دو کلومیٹر دور کیمپ میں روزانہ جاتی ہے، بچہ اپنے نومولود بھائی کو لیے پھرتا ہے، نہ گھر ہے اور نہ ہی واری جانے والی ماں ہے۔

شمالی غزہ کی مٹی اٹھا کر اس کا رنگ دیکھیے، خون رنگ ہے۔

یہ منظرِ خونچکاں ہے، یہاں لہو، وہاں لہو
یہ دامن صبا لہو، یہ صحن گلستاں لہو

یہ لہو بہت ارزاں ہوا۔ ندامت، افسوس کے دو بول کسی ابتدائی بیان کے بعد سامنے نہ آسکے۔ اس سیز فائر معاہدے کے بعد ایک بڑے لیڈر نے اسرائیل کے چینل کو نہ صرف انٹرویو دیا ہے بل کہ کہا ہے کہ وہ جلد اسرائیل کا دورہ کریں گے۔

اسرائیل جانے کی بیتابی صرف انہیں کو نہیں ہے، دو چار اور بھی تیار بیٹھے ہیں۔ ابراہام معاہدہ ان کا منتظر ہے۔ اس معاہدے کا ضامن پھر صدر امریکہ ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ ہے، کہاں سے لائیں کہ خودداری کہیں جسے۔ جس نے کہا ہے کہ مغربی کنارہ اسرائیل کا حصہ ہے۔ ٹرمپ کی آمد سے چند روز پہلے ری پبلکن رکن کانگریس ٹام کاٹن نے بل پیش کیا کہ آئندہ امریکی دستاویزات میں مغربی کنارے کو ''جودیہ اور سماریہ'' لکھا جائے۔ اس ایک قدم سے یہ بھی ہوگا کہ کسی ملک کے بارے میں دوسرا ملک اپنے ہاں قانون سازی کرے گا۔ اس سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کی ان قراردادوں کی معنویت پر حرف آئے گا جن میں مغربی کنارے کا حوالہ موجود ہے۔ آج مغربی کنارے کو اسرائیل کا حصہ تسلیم کرلیا جاتا ہے تو فلسطینی اتھارٹی ختم ہوجاتی ہے، یہودی بستیاں قانونی ہوجاتی ہیں۔ بیت المقدس کی خصوصی حیثیت ختم ہوجاتی ہے اور تو اور فلسطینی اپنے گھر میں غیر ملکی ہوجاتے ہیں۔

اب تو یہ سیدھی سی بات رہ گئی ہے کہ اسرائیل غزہ سے جو حاصل نہ کرسکا وہ مغربی کنارے سے حاصل کرے گا۔ لیکن غزہ میں اس قدر تباہی مسلط کرنے کے باوجود غزہ کو پتھر کے زمانے میں بھیجنے والا امریکہ۔ جی ہاں! امریکہ نہیں، امریکی اسرائیل اہل غزہ کی امید نہ چھین سکا، وہ انہیں تہہ خاک تو لے گیا، بر سر خاک ان کے عزم نہ توڑ سکا۔ وہ مغربی کنارے میں بھی پتھر کا کھیل کھیل رہا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اسرائیل کی نام نہاد جنگی کابینہ کا ہر رکن اپنے ہی ملکی قانون کا بھگوڑا ہے۔ وہ مقدمات در مقدمات میں نامزد ہے۔ لاقانونیت اور کرپشن ان کے چہروں پر لکھی ہے۔ بنجمن نیتن یاہو استثناء مانگ رہا ہے کہ حالت جنگ میں ہے اسرائیل، عدالت نہیں آسکتا۔ عدالت کہہ رہی ہے کہ جرم سے پیار کیا ہے تو نبھانا تو پڑے گا، دیوار میں چنوانا تو پڑے گا۔ اسی سے بچنے کے لیے وہ اور اس کے حواری جنگ کا کھیل رچائے ہوئے ہیں اور ان کی حتی الوسع کوشش یہی رہے گی کہ جنگ مسلط رکھی جائے۔

جہاں تک ٹرمپ کا یہ کہنا کہ فلسطینی اردن، مصر، شام، قطر اور سعودی عرب چلے جائیں تو فرعون نے بھی کہا تھا کہ مجھے اعلیٰ رب نہیں مانو گے تو گردنیں کندھوں سے جدا کردی جائیں گی۔ یہ عین ممکن ہے کہ فلسطینی گلیوں اور بازاروں میں پھر سے بارود ناچے گا اور زیادہ زور سے ناچے گا۔ جس طرح غزہ کا فلسطینی کسی اور ملک جانے کو تیار نہیں، اسی طرح سے مغربی کنارے کا فلسطینی بھی مغربی کنارے ہی رہے گا۔ عالم اسلام کو یاد کرنا ہوگا کہ غزہ کا دامن ایمان سے بھرا تھا، بھرا ہے اور بھرا رہے گا۔ پھر مغربی کنارے سے ایمان فروشی کی توقعات کیوں لگا رہے ہیں اور کون لگا رہے ہیں؟ سوال تو بنتا ہے۔

اس حقیقت کو بعض لوگ سراسر غلط رنگ دیتے ہیں کہ یہاں یہودیوں نے مکمل قبضہ کرنا ہے۔ یہ درست نہیں، کہاں لکھا ہے کہ 2025ء میں یہ کام ہونا ہے۔ حضرت امام مہدیؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے آنے کا وقت کس کو معلوم ہے، دجال کے برآمد ہونے کے لمحات کب ہوں گے؟ ان باتوں کا تذکرہ اس لیے کرنا ضروری ہے کہ آج کی تعلیم یافتہ ہی نہیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلم کھیپ بھی یہی سمجھتی ہے کہ اب یہودیوں کا دور ہے۔

ایسے لوگوں کو علم ہونا چاہیے کہ وہ تاریخ کے شکستہ دروازوں پر دستک دے رہے ہیں۔ تھوڑے کو کافی جانیں اٹھ باندھ کمر۔۔۔ میدان بلاتا ہے۔ دشمن مسلم کردار سے خوف کھاتا ہے۔ اب اعلان ہو رہے ہیں کہ غزہ کی تعمیر نو کے لیے عرب فنڈ قائم کیا جارہا ہے۔ جب اہل غزہ کو غزہ سمیت ختم کیا جارہا تھا، تب یہ فنڈ قائم کرنے والے کہاں تھے۔ بنجمن نیتن یاہو آن ریکارڈ ہے۔ اس نے کہا تھا کہ غزہ پر حملے سے پہلے ہی میں نے سب سے آس پاس بات کرلی ہے۔

اب خدارا! مغربی کنارے کو پاس پڑوس کے حوالے نہ کریں۔ کسی نے مدد کو نہیں آنا ہے۔ اب مزید اسماعیل ھنیہ، یحییٰ ابراہیم السنوار اور حسن نصر اللہ قربان نہیں کرنے ہیں۔ اب آگے بڑھنے اور پر عزم ہونے کا مرحلہ ہے۔ کون اس کے لیے تیار ہے؟ فرد بھی، امت بھی اور ملت بھی، سب کا امتحان ہے، سب کی آزمائش ہے۔

مغربی کنارہ زندہ و پائندہ رہنا چاہیے۔

کیا آپ تیار ہیں؟

حماس اسرائیل معاہدہ: حماس نے سب کو پسپا کر دیا

تجزیہ: منصور جعفر

حماس نے اسرائیل اور اس کے سرپرست واتحادیوں کی تمام تر اسلحہ سامانی کے مقابلے میں گھریلو ساختہ اسلحے کے ذریعے ایسی دلیری و بہادری دکھائی ہے کہ سب کو پسپا ہونا پڑا۔ کسی کو جنگی اور کسی کو سفارتی محاذ سے۔

غزہ میں اسرائیل کی جنگ 15 ماہ کے بعد جنوری 2025 کو اپنے انجام کی طرف بڑھ گئی ہے۔ اس کا یہ انجام اس معاہدے کے نتیجے میں ہوا ہے جو اسرائیل اور اس کے سب سے بڑے فلسطینی مزاحمتی گروپ حماس کے درمیان ثالثوں کی مدد سے ہوا ہے۔

معاہدے کے دو اصل فریق اسرائیل اور حماس ہیں۔ اسرائیل نے اس معاہدے پر ثالث ملکوں کو اپنی آمادگی سے آگاہ کر دیا اور بعد ازاں اسرائیلی وزیراعظم نتن یاہو کوئی گھنٹوں تک حماس کی طرف سے سگنل کا انتظار رہا۔ اس دوران ایسے بھی محسوس ہوا کہ حماس اس معاہدے کو قبول کرنے میں دیر لگا رہا ہے۔ اس دیری سے پیدا ہونے والی اسرائیلی تشویش کا اظہار نتن یاہو کے دفتر نے 15 جنوری کو رات گئے ایک بیان میں بھی کیا کہ 'ابھی تک حماس نے معاہدے کے متن میں دی گئی تجاویز کا جواب نہیں دیا ہے۔'

اس معاہدے کی تفصیلات اور کئی جزئیات بھی سامنے آچکی ہیں۔ یقیناً ان سطور میں ان تفصیلات کی اہمیت کے پیش نظر ذکر ہو گا مگر شروع میں کچھ ایسی باتیں جو اس معاہدے سے پہلے کے حالات کو سمجھنے کو درکار اور ضروری ہیں۔ تاکہ حقائق کے ساتھ آگے کا سفر ممکن رہے۔

سات اکتوبر 2023 سے شروع ہونے والی یہ جنگ 15 ماہ سے زیادہ جاری رہی ہے مگر سال 2024 کے ابتدائی مہینوں میں ہی اسرائیل کے سب سے بڑے اتحادی اور سرپرست امریکہ کے فوجی وسفارتی اعلیٰ حکام اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔ اسرائیل کے لیے یہ جنگ جاری رکھنا محال ہوسکتا ہے، اس تاثر کا اظہار پچھلے سال ماہ مارچ میں بالعموم امریکی حکام کرنے لگے تھے۔

دوسری جانب اس تناظر میں امریکہ کی کوشش یہ رہی کہ اسرائیل کو اس جنگ کے لڑنے کے قابل بنانے کے لیے مزید جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہ سفارتی و عسکری میدانوں میں کر گزرا جائے۔ مگر اسرائیل کی اس جنگ کو پھیلنے نہ دیا جائے۔ اسرائیل اس سے مزید الجھ جائے گا اور مشکلات بڑھ جائیں گی۔

اس تجربے کی بنیاد پر امریکی حکام اسرائیل کو رفح پر حملے

سے روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ ساتھ ہی ساتھ جو بائیڈن انتظامیہ نے از خود جنگ بندی معاہدے کے لیے ایک فارمولہ تیار کرنا شروع کر دیا۔

امریکہ کے عسکری و سفارتی تجزیہ کاروں کی یہ بھی کوشش رہی کہ جنگ لبنان کی طرف بھی وسعت اختیار نہ کرے اور کسی طرح اس جنگ کو غزہ کے اندر تک اسرائیل کو رکھتے تک محدود رکھا جائے۔ اس سلسلے میں بھی اسرائیل کی وہ 'ضرورتیں' پوری کر دی جائیں اور کسی طرح غزہ سے اسرائیل کو فتح مند نکالنے میں کامیابی حاصل کر لی جائے۔

تین امریکی اقدامات اسی پس منظر میں تھے۔ اسرائیل رفح پر حملہ نہ کرے۔ لبنان تک جنگ کو پھیلانے سے رکا رہے۔ غزہ میں اسرائیل کی فضا و سمندر سے مدد کی جائے۔ نیز سفارتی میدان میں اسرائیل کو پیش آنے والے چیلنجوں کا توڑ کیا جاتا رہے۔

اس سلسلے میں امریکہ نے کچھ عملی اقدامات بھی کیے۔ رفح پر حملے سے رکنے کے لیے علامتی طور پر ہی سہی اسرائیل کو محدود تعداد میں بموں کی ترسیل روک دی۔ لبنان کی حکومت اور اسرائیل کے درمیان معاملات سیدھے رکھنے کے لیے امریکی نمائندے آموس ہوچسٹن کو فعال کر دیا۔

ادھر غزہ سے کڑی سمندری حدود میں امریکی بحریہ کی سرگرمیوں کو فعال کرتے ہوئے امداد کے نام پر ایک عارضی بندرگاہ بھی قائم کر دی۔ جبکہ سلامتی کونسل میں اسرائیل کو مکمل حمائت دیے رکھی۔ لیکن اسرائیل کو 'فیس سیونگ' دینے کے لیے صدر جو بائیڈن نے ایک مرحلہ وار جنگ بندی کا فارمولہ بھی پیش کر دیا۔

15 جنوری کو سامنے آنے والے معاہدے کے ساتھ ہی یہ سوال اٹھنا اور بحث شروع ہونا بھی فطری امر ہے کہ اس معاہدے سے کامیابی کس کو ملی؟ شکست کس کے نام ہوئی؟ اس پر آنے والے دنوں میں امریکہ و یورپ کے حکومتی ایوانوں کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ میں بحثیں ہوں گی۔ دور کی کوڑیاں لائی جائیں گی۔

خود ہمارے ایشیائی ذرائع ابلاغ اور قائدین سیاست بھی اپنے اپنے انداز سے نکتہ آفرینیاں کریں گے۔ ان کا انتظار بھی رہے گا۔ لیکن ان سطور میں چند بنیادی نکات حوالے کے طور پر پیش کیے جا رہے ہیں۔ تاکہ آنے والے دنوں کی سفارتی، سیاسی اور سماجی مہمات کی آندھی سے پہلے کچھ حقائق بہر حال قارئین کے پیش نظر رہیں۔

امریکہ اسرائیل کا ازلی ہی نہیں، سب سے بڑا اتحادی و سرپرست ہے۔ غزہ کی جنگ میں بھی اس نے اگر اسرائیل کی مدد نہ کی ہوتی تو اسرائیل کا حلیہ کم از کم آج والا نہ ہوتا۔

اس امریکہ نے سلامتی کونسل میں کم از کم تین بار جنگ بندی کی قرارداد کو ویٹو کیا ہے۔ لیکن بالآخر جنگ بندی

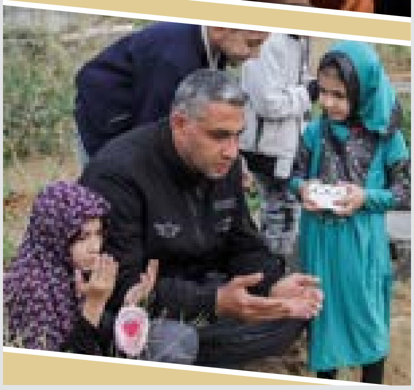

کے لیے جتنی دوڑ امریکی حکومت نے لگائی اور آنیاں جانیاں اٹھائی ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ یہ دوڑیں کیوں لگی ہیں؟

اس بارے میں ایک حوالہ 77 سالہ امریکی خاتون تاریخ دان جن کی شہرت کا ایک حوالہ یہود مخالف خصوصی ایلچی کا بھی رہا ہے۔ ان کا نام ڈبورا ایسٹھر پسیٹڈ وہ 15 جنوری کو اس جنگ بندی معاہدے کے بعد چیخ اٹھی ہیں۔

وہ چیخ اٹھی ہیں 'ہم نے یہ جنگ جیتی نہیں ہے'۔

اسرائیلی کابینہ کے اہم رکن اور وزیر خزانہ بذالیل سموٹریچ اس معاہدے کے اعلان سے محض چند گھنٹے قبل یہ پکار پکار کر کہتے رہے، 'یہ معاہدہ اسرائیل کے لیے تباہی ہوگا'۔

اسرائیلی کابینہ کے ایک اور اہم وزیر اتیمار بین گویر ہیں۔ اسرائیل کی داخلی سلامتی کے وزیر ہونے کی وجہ سے اسرائیلی اینٹیلی جنس کی طرف سے ملنے والی معلومات اور جائزے ان کی نظر سے بلاشبہ اوجھل نہیں ہو سکتے۔ ان ساری سہولتوں کی بنیاد پر یہ وزیر برائے داخلہ امور نتن یاہو کو 15 جنوری کی صبح تک خبردار کرتے رہے کہ 'حماس کے ساتھ معاہدہ نہ کیا جائے۔ اگر معاہدہ کیا تو حکومت سے الگ ہو جاؤں گا'۔

اسرائیلی وزیر اعظم نتن یاہو بھی کوئی آسانی سے اس طرف آنے والے تو بہر حال نہیں تھے۔ انہوں نے 15 ماہ تک اپنی ریاست کو جنگ میں جھونکے رکھا ہے۔ بدترین معاشی تباہی برداشت کی ہے۔ وہ 15 ماہ تک غزہ میں اسرائیلی قیدیوں کی بے بسی اور ہلاکتوں سے بھی تجاہل عارفانہ برتتے رہے۔ ان کے لواحقین کا اس ساری جنگ کے دوران تل ابیب کی سڑکوں پر ہفتہ وار احتجاج نظر انداز کرتے رہے اور حماس کے ساتھ معاہدے سے گریزاں رہے۔

اگرچہ ان کے سابق وزیر دفاع اور جنگی جرائم میں ان کے سب سے زیادہ قریبی ساتھی یوآو گیلنٹ بھی واضح مؤقف رکھتے تھے کہ 'جنگ یرغمالیوں کی رہائی کا واحد طریقہ نہیں ہے۔ حماس سے ڈیل کرنا ہوگی'۔

یوآو گیلنٹ تو یہاں تک کہہ چکے تھے کہ 'سارا بوجھ فوج پر نہ ڈالا جائے۔ یرغمالیوں کی رہائی کے لیے کچھ اور کوششیں بھی کی جائیں' لیکن نتن یاہو جنہوں نے 2023 میں کہا تھا، 'حماس کا وجود نہیں رہے گا'، 2025 پر میں اسی حماس کے ساتھ معاہدہ ہونے کے لیے 15 جنوری کو اپنے دفتر میں حماس کے جواب کے لیے بے چین بیٹھے تھے۔

گویا حماس 2025 تک بھی پورے مزاحمتی قد کاٹھ اور نظریاتی طمطراق کے ساتھ اسرائیل کے سامنے ایک مکمل فریق کے طور پر موجود ہے۔

اس تبصرے اور تجزیے سے گریز کے ساتھ کہ شکست کس کی ہوئی اور فتح مندی سے کون بہرہ ور ہوا۔ اسرائیل اور حماس کے ظاہر کردہ ان اہداف کا ذکر ضروری ہے جو اس

کے قائدین کے بیانات کی صورت سامنے آتے رہے۔
پہلے اسرائیل کی بات کر لیتے ہیں۔

اسرائیل نے تین بنیادی اہداف غزہ جنگ کے پس منظر میں جنگ کے پہلے چھ ماہ تک تواتر کے ساتھ بیان کیے۔ البتہ بعد ازاں رستے کی تھکن دیکھ کر اسرائیلی قیادت کو سمجھ آنے لگی تھی، اس لیے ان پر زور دے کر اور انہیں نمایاں کر کے بیان کرنے کا جاری سلسلہ ماند پڑ گیا۔

تین اسرائیلی اہداف:

1. اس وقت تک جنگ نہیں روکیں گے جب تک یرغمالی رہا نہیں کرا لیتے۔
2. حماس کا خاتمہ نہیں کر لیا جاتا
3. غزہ سے آنے والے وقتوں میں ایسے کسی خطرے کا امکان ہی ختم نہیں کر دیا جاتا۔

اسرائیل کی بدقسمتی ہے کہ اس کے پاس 15 جنوری 2025 کو کیے گئے اس جنگ بندی معاہدے کا ذکر کرنے یا اس کے ارکان کی تمہید باندھنے کے لیے ان تینوں اہداف میں سے کسی ایک کے حاصل کر لینے کا فخر موجود نہیں تھا۔ اسی لیے تو یرغمالیوں کی رہائی کے لیے بالآخر معاہدہ کرنا پڑا۔ حماس کے ساتھ معاہدہ کرنا پڑا۔ حماس کے مطالبات اور شرائط کو قبول کرنا پڑا۔ اسی خطرے کے مستقبل میں خاتمے کے تیسرے ہدف کے حصول کی بات تو وزیر خزانہ سموٹریچ اس معاہدے کو اسرائیل کی تباہی قرار دے چکے ہیں۔

حماس کے سات اکتوبر کو اسرائیل پر حملے کے اہداف کا احوال اس کے میڈیا کے ذریعے سامنے آنے والے بیانات میں اس طرح ہوتا رہا۔ اولاً یہ کہ اس کے پاس اپنے عرب اور اسلامی برادران کو اسرائیل کے قریب جانے اور اسے تسلیم کرنے سے روکنے کے لیے کوئی اور آپشن نہ بچی تھی۔ اس لیے اس نے پورے غزہ کی طرف سے اسرائیل اور اس کے ساتھ 'نارملائزیشن پر خودکش حملہ' کر دیا۔ بلاشبہ حماس کے اس حملے سے غزہ کی تباہی اور قربانی تو ایسی ہی رہی کہ جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ مگر سعودی عرب اور پاکستان ایسے اہم اسلامی ملک اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے لیے دباؤ کی فضا سے ضرور نکل آئے۔

حماس کے میڈیا کے ذریعے سامنے آنے والے بیانات اور دعوؤں میں یہ بھی کہا جاتا رہا کہ اس حملے کے ذریعے انہوں نے مسئلہ فلسطین کی جانب عالمی برادری کی توجہ مبذول کرانے کا فیصلہ کیا تھا کہ بصورت دیگر یہ اہم معاملہ پس پشت چلا گیا تھا۔ بلاشبہ آج مسئلہ فلسطین جس قدر عالمی برادری کے سامنے اجاگر ہو چکا ہے ماضی کی تین چار دہائیوں میں اس کی امید باقی نہ رہنے دی گئی تھی۔

1993 کے اوسلو معاہدے کے بعد بے رنگ اور بے اثر قسم کی فلسطینی اتھارٹی کے قیام کے علاوہ ایک ایک کر کے

مسلم و عرب ملکوں کا اسرائیل کو تسلیم کرتے جانے کی طرف مائل ہو جانا فلسطین کاز کے لیے تباہ کن ثابت ہو رہا تھا۔ سات اکتوبر کے بعد جب اپریل مئی میں اسرائیل اور اس کے سرپرست و اتحادی سخت مشکل میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، یورپ کے تین ملکوں نے فلسطینی ریاست کی آزادانہ حیثیت کو تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا۔

حماس نے 15 ماہ سے زائد کی اس جنگ میں بے شمار اور بے پناہ قربانی دے کر اپنے اہداف حاصل کر لیے ہیں۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اور جنرل کونسل کے اجلاس میں فلسطینیوں کا ایک زندہ و جاوید ایشو کے طور پر ایسے سامنے آیا کہ باہم عالمی برادری کا دل فلسطینیوں کے ساتھ دھڑکتا ہوا نظر آنے لگا۔ امریکہ اور یورپ کے تمام بڑے شہروں ہی نہیں ان ملکوں کی جامعات کے اساتذہ اور طلبہ و طالبات میں جس بیداری کی لہر سامنے آئی اس نے پورے عالمی نظام کی کھوکھلی جڑوں کو ہلانا شروع کر دیا ہے۔

طوالت سے بچنے کے لیے اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کے اس ابتدائی ردعمل کا حوالہ کافی ہوگا جس میں انہوں نے سات اکتوبر 2023 کے حماس کے حملے کی وجوہات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسرائیل سمیت اس کے سارے سرپرستوں کو یاد دلایا کہ 'یہ سب اچانک نہیں ہو گیا'

سیکریٹری جنرل انتونیو گوتیریس کا یہ ایک جملہ پوری دنیا کے بے ضمیروں کے لیے ایک تازیانے سے کم نہ تھا۔

گویا حماس نے 15 ماہ سے زائد کی اس جنگ میں بے شمار اور بے پناہ قربانی دے کر کم از کم یہ دونوں اہداف حاصل کر لیے ہیں۔

حماس نے اسرائیل اور اس کے سرپرست و اتحادیوں کی تمام تر اسلحہ سامانی کے مقابلے گھریلو ساختہ اسلحے کے ذریعے ایسی دلیری و بہادری دکھائی ہے کہ سب کو پسپا ہونا پڑا۔ کسی کو جنگی محاذ سے اور کسی کو سفارتی محاذ سے۔

اس کامیابی کو فی الحال 15 اگست 2021 کو کابل میں نظر آنے والے منظرنامے سے تو نہیں جوڑا جا سکتا کہ افغان طالبان کے ساتھ ظاہراً نہ سہی باطناً پاکستان کے سیکولر قسم کے فوجی سربراہ جنرل پرویز مشرف کی مشہور زمانہ 'ڈبل گیم' کا بڑا دخل تھا۔ اور بھی قوتیں اپنے اپنے انداز میں کچھ حصہ ڈال رہی تھیں۔ مگر غزہ تو ایک زیر محاصرہ پٹی تھی، جہاں اسرائیل یکطرفہ بمباری کیے جا رہا تھا۔ اس کے باوجود 15 جنوری 2025 کا معاہدہ لاس اینجلس کی آگ سے زیادہ طاقت سے سامنے آ گیا۔

اس 15 جنوری کے اسرائیل حماس معاہدے کے بعد اسرائیل کے لیے کیا پیغام ہے؟ اس کے سرپرستوں کے لیے کیا سبق ہے؟ اسرائیل کے کسی مجہول اتحادی یا دوست اور تعلق و شراکت دار کے لیے کیا معنی ہیں؟

اس کو بیان کرنے کے لیے بھی اختصاراً اسرائیلی فوج کے

ترجمان ریئر ایڈمرل ڈینیئل ہگاری کے اس تاریخی اعتراف کام کا حوالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 'حماس ایک نظریہ ہے، اسے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہنا کہ ہم حماس کو مٹانے جا رہے ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ اگر ہم کوئی متبادل پیش نہ کر سکے تو حماس پھر سے ہمارے ساتھ ہی موجود ہوگی۔'

دلچسپ بات ہے کہ جب 19 جون 2024 کو ریئر

ایڈمرل ڈینیئل ہگاری نے بطور فوجی ترجمان یہ بیان دیا تو اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو کے دفتر سے جاری کیے گئے وضاحتی بیان میں اس فوجی 'اعتراف' کو مسترد کر دیا گیا۔ جواب الجواب میں اسرائیلی فوج نے پھر کہا، 'ہگاری نے حماس کو ایک نظریے کے طور پر بیان کیا ہے۔ جو واضح ہے اور بالکل صاف بات ہے۔'

یہ حقیقت تسلیم کرنا ہی دراصل کسی درست فیصلے اور سمت کی طرف بڑھنا ہو سکتا ہے۔ اسرائیل کی حکومت نے جس حقیقت کو 15 ماہ کی جنگ کے بعد تسلیم کیا ہے۔ اسرائیل کے علاوہ قوتوں نے اسے یہ پہلے باور کرانا شروع کر دیا تھا۔

اب ایک راستہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس معاہدے پر بھرپور اور پورے صدق دل کے ساتھ عمل کیا جائے۔ جیسا کہ سیکرٹری جنرل انتونیو گوتریس نے کہا ہے کہ 'اسرائیل اور حماس کے درمیان معاہدے کو جلد مکمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ کوئی بھی جواز فلسطینی عوام پر مسلط کی گئی تباہی اور ہلاکتوں کو درست قرار نہیں دے سکتا ہے۔'

دوسرا راستہ وہ ہے جو اسرائیل کے وزیر اعظم نتن یاہو نے 16 جنوری کی صبح تین بجے کے بعد اپنے دفتر کی طرف سے جاری کردہ بیان میں اجاگر کیا ہے۔ 'اسرائیل حماس کی طرف سے دی گئی فلسطینی اسیران کی رہائیوں کے لیے دی گئی فہرست کو ویٹو کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔'

بلاشبہ وعدہ خلافی اور کہہ مکرنی تاریخ اسرائیل سے زیادہ اچھی کس کی ہو گی۔ اسرائیل کے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے بارے میں رویے سے لے کر اوسلو معاہدے تک اور بعد ازاں تازہ ترین مثال لبنان کے ساتھ 27 نومبر کو ہونے والے جنگ بندی معاہدے تک میں ہر جگہ اسرائیل معاہدے کی خلاف ورزیوں میں پہل کرتا ہے۔

اس لیے اگر غزہ میں جنگ بندی اور قیدیوں کی رہائی کے لیے معاہدے پر عمل معاہدے کی روح کے مطابق نہ کیا گیا اور اتوار کے روز سے عمل کرنے سے پہلے ہی اس طرح کی ویٹو کرنے والی مینگنیاں دودھ میں ڈالنے کی کوشش کی گئی تو پورے مشرق وسطیٰ کو جنگ کے خطرے میں جھونکے رکھنے کے مترادف ہوگا۔

امریکی وزیر خارجہ اینٹنی بلنکن نے اپنے تازہ خیالات کے اظہار میں جو دعویٰ کیا ہے اگر یہ درست ہے کہ 'حماس کے جتنے لوگ مارے گئے اس نے اتنے ہی مزید بھرتی کر لیے ہیں،' تو یہ اسرائیل کے لیے پہلے سے خطرناک بات ہوگی۔

امریکہ اور وہ یورپی ممالک جنہوں نے اب تک اسرائیل کا بھرپور ساتھ دیا ہے کہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کے لیے عالمی رائے عامہ اب تیار نہیں ہوگی۔ امریکہ و یورپ میں اسرائیلی قیادت کا جو خونی چہرہ غزہ جنگ نے پیش کیا ہے کہ 46707 سے زائد فلسطینیوں کی ہلاکتوں میں زیادہ بڑی تعداد بچوں اور عورتوں کی ہے۔ اس پر مستزاد بین الاقوامی عدالت انصاف اسرائیلی فوج کے ہاتھوں فلسطینیوں کی نسل کشی کے بارے میں حکم اور بین الاقوامی فوجداری عدالت کی طرف سے نیتن یاہو اور ان کے سابق وزیر دفاع کے جنگی جرائم کے سلسلے میں وارنٹ گرفتاری عالمی رائے عامہ کے لیے ردعمل ظاہر کرنے کے لیے بہت کافی ہیں۔

اس قدر تاخیر سے ہونے والے معاہدے کو محض 20 جنوری کو صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی تقریب حلف وفاداری میں نتن یاہو کی شرکت ممکن بنانے و دیگر اسرائیلی حکام کے لیے اظہارِ اپنائیت و قبولیت کا موقع بنانے کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہوگا۔ پوری وسعت نظری اور وسعت قلبی کے ساتھ اس معاہدے پر عمل کرنا مشرق وسطیٰ کے ساتھ ساتھ عالمی امن کے لیے بھی اہم ہے۔

جس طرح صدر جو بائیڈن اور نو منتخب صدر ٹرمپ نے اس معاہدے کے کروانے کا کریڈٹ اپنے نام کرنے میں مقابلے کا تاثر دیا ہے، اس پر عمل میں بھی اسی تیزی اور اخلاص کی ضرورت ہے۔ جو نو منتخب امریکی صدر کی دنیا کے ساتھ بالعموم اور مسلم دنیا کے ساتھ بالخصوص نئی اور اچھی شروعات کے لیے ضروری ہے۔ [بشکریہ انڈیپنڈنٹ اردو]

تجزیہ: عبدالمعز

گریٹر اسرائیل اور گریٹر مشرقِ وسطیٰ کے خواب!

کیا دنیا 2025ء میں بڑی جنگ دیکھے گی؟

2025 کے مشرق وسطیٰ میں بہت سی چیزیں اظہر من الشّمس ہیں۔ نوشتہ دیوار کی صورت موجود ان حقیقتوں کو تقریباً ہر مردِ خود آگاہ سمجھ رہا ہے۔ ہر ملک اور علاقے میں اس کا ادراک پوری طرح موجود ہے۔

کونڈا لیزا رائس نے ماضی میں اسرائیلی قیادت اور عوام کو خوش خبری سنائی تھی کہ 2006 کی لبنان۔ اسرائیل جنگ وہ 'دردزہ' ہے جس سے ایک نیا مشرق وسطیٰ جنم لے گا۔

اسرائیل نے تو اب بیک وقت کئی جنگیں چھیڑ رکھی ہیں اور جنگی محاذ کھول رکھے ہیں۔ ایسے میں مشرق وسطیٰ کی نئی صورت گری کا امکان اسرائیل کیوں نہیں دیکھنا چاہے گا؟

2025 کے مشرق وسطیٰ میں بہت سی چیزیں اظہر من الشّمس ہیں۔ نوشتہ دیوار کی صورت موجود ان حقیقتوں کو تقریباً ہر مردِ خود آگاہ سمجھ رہا ہے۔ ہر ملک اور علاقے میں اس کا ادراک پوری طرح موجود ہے۔

اس حقیقت کو اگر علامتاً بیان کیا جائے تو علامہ اقبال کا یہ ایک شعر ہی کافی ہے۔

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

ان حقائق کو صراحتاً بیان کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ مشرق وسطیٰ کو امریکہ کی نظر سے دیکھا اور سمجھا جائے۔

امریکہ کے شہ دماغوں کی طرف سے بنائے گئے اس نئے نین نقشے کو سمجھ لیں، جو 1990 کی دہائی کے شروع سے انہوں نے سوچ لیا تھا یا قرار دے دیا تھا، لیکن اس کو پوری شرح و بسط کے ساتھ جارج ڈبلیو بش نے جون 2004 میں 'جی ایٹ' کے سامنے پیش کیا تھا۔

جارج ڈبلیو بش نے نائن الیون کے بعد پرانی صلیبی جنگوں کے انداز میں افغانستان پر یلغار کی تھی، بش نے نئے مشرق وسطیٰ میں جن ممالک کو شامل قرار دیا ان میں افغانستان، لیبیا، پاکستان، شام، ترکی، ایران، مصر، بحرین، جبوتی، موریطانیہ، الجزائر، مراکش، صومالیہ، سوڈان، یمن، سعودی عرب، عرب امارات، فلسطین، اسرائیل، کویت، قطر، سلطنت آف عمان، لبنان، عراق اور اردن شامل ہیں۔ کیا دنیا 2025ء میں بڑی جنگ دیکھے گی؟

ممکن ہے کوئی اِکا دُکا مملکتوں کے نام اس فہرست میں تحریر نہ کیے جا سکے ہوں، تاہم نئے مشرق وسطیٰ کے طور پر نشانہ اور اہداف بڑے واضح ہیں۔

اس ہدف کو سمجھنے کے لیے ایک ترتیب یہ بھی ہوسکتی ہے۔

عراق، لیبیا، افغانستان، لبنان، شام، مصر، مراکش، پاکستان، سوڈان، صومالیہ، ایران، یمن، فلسطین، وغیرہ وغیرہ۔

ان ممالک کو کن چیلنجوں کا سامنا ہے، ہر چیز ظاہر و باہر ہے۔ اس تفہیم کی ایک ترتیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مراکش، متحدہ عرب امارات، بحرین، مصر، ترکی، سعودی عرب، پاکستان، اردن، عراق، شام اور قطر وغیرہ کو ایک الگ گروپ کے طور پر دیکھا جائے۔

اسی طرح ایک ترتیب سعودی عرب، امارات، ایران، عراق، لیبیا اور پاکستان کے تناظر میں ہوسکتی ہے۔

ان ملکوں کے ناموں پر نظر ڈالنے سے سمجھ آسکتی ہے کہ بے چینی و بدامنی اور دہشت گردی کی تباہ کاریاں نئے مشرق وسطیٰ میں شامل ملکوں کی پہلی ترتیب میں نمایاں ہیں۔

دوسری ترتیب میں ان ممالک کو دیکھا جا سکتا ہے کہ جن میں سے بعض سے اسرائیل کو تسلیم کروا لیا گیا ہے، بعض ایسے ہیں جنہوں نے باضابطہ تسلیم تو نہیں کیا مگر تسلیم نہ کرنے میں کوئی ایسی مزاحمت بھی نہیں کر رہے۔

کسی مناسب موقعے کی تلاش میں ہیں۔ انہی میں سے بعض دباؤ اور بعض ترغیب کے حربوں کی زد میں ہیں۔

تیسری ترتیب میں ان چند نمایاں ملکوں کو شامل کیا گیا ہے، جن کے پاس قدرتی وسائل وافر موجود ہیں یا جو ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے نکلنے کا امکان رکھتے ہیں۔

انہیں 'گریٹر اسرائیل' کا نقشہ بنائے بیٹھا اسرائیل بھی زیادہ خطرناک سمجھتا ہے اور نئے مشرق وسطیٰ کا نقشہ بنانے والے امریکہ کے لیے بھی قابل قبول نہیں۔

دونوں خود بھی اور ان کے یورپی اتحادی بھی انہیں کبھی بھی خود مکتفی نہیں دیکھنا چاہتے۔

رہی یہ بات کہ یہ اپنی افرادی قوت، تہذیبی و ثقافتی شناخت اور عسکری خود کفالت کا سوچیں یا معاشی آزادی کی طرف جائیں اور سیاسی استحکام پا سکیں یہ تو کسی صورت قبول نہیں۔

مشرق وسطیٰ کے ایک ایک ملک کی قیادت یہ سب کچھ سمجھتی ہے۔ مگر اس بارے میں کسر نفسی یا تجاہل عارفانہ کا شکار ہے۔ اگر تجاوز پر مبنی الفاظ محض تفہیم کے لیے استعمال کرنے کی اجازت ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ شتر مرغ کی طرح سر ریت میں دبا لینے والی بات ہے۔

یہ ہندوستان کے اس رنگیلے بادشاہ کا انداز ہے جو تباہی کے سر پر آپہنچنے کے باوجود یہی کہتا رہا: 'ہنوز دلی دور است'۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فریق مخالف کی حکمت عملی کب کیا ہوتی ہے اور وہ اپنی حکمت عملی کو کب تبدیل کر لیتا ہے۔

اس بارے میں حتمی اندازہ لگانا مشکل ہوسکتا ہے۔ اس مشکل کا حل بعض ملکوں نے 'آئی فائیو' کا تجربہ کر کے کیا ہے۔

مشرق وسطیٰ کے ملک بھی اپنے انٹیلی جنس اداروں کی کاوشوں میں اشتراک پیدا کر لیں تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

بس شرط یہ ہے کہ پہلے باہمی تفرقوں اور جھگڑوں سے بچنے کے شعوری راستے پر چلنے کے لیے خود کو تیار کر لیں۔

اس تفصیلی تمہید کے بعد ان چیلنجوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو نئے مشرق وسطیٰ کے مذکورہ بالا ملکوں کو درپیش ہیں۔

سب سے اہم اور بڑا چیلنج:

نومنتخب امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی وائٹ ہاؤس میں آمد آمد ہے۔ محض چند دنوں بعد وہ بطور امریکی صدر حلف اٹھا کر وائٹ ہاؤس میں براجمان ہوں گے۔ (وہ اب حلف اٹھا چکے ہیں)

مسئلہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ کس سمت پر چل پڑتے ہیں ابھی اندازہ نہیں۔ (انہوں نے پہلے حکم میں یہودی بستیوں کو تسلیم کرنے کا اعلان کر کے مغربی کنارے میں اعلانِ جنگ کر دیا ہے) لیکن اچھی بات یہ ہے کہ ٹرمپ کی شخصیت کے دو پہلو بڑے واضح ہیں۔

ایک یہ کہ وہ جیسے ہیں، ویسے ہی نظر آتے ہیں۔ اس تناظر میں وہ امریکہ کو بھی یقیناً اپنے ہی فکر و عمل اور اسلوب میں ڈھلی ہوئی مملکت کے طور پر دنیا کی اقوام کے ساتھ بروئے کار دیکھنا چاہیں گے۔

ٹرمپ کی شخصیت میں غیر معمولی اعتماد انہیں دھونس اور تحکم کی طرف لے جاتا ہے، اس لیے وہ بطور امریکی صدر اپنی طاقت اور طاقت ور لہجے کا بھرپور استعمال کریں گے۔

یقیناً ٹرمپ کے اس طاقت ور لہجے کا استعمال انہی ملکوں، اقوام یا قیادتوں پر زیادہ ہوگا جنہیں وہ اس قابل سمجھیں گے کہ ان پر یہ 'جبری ہنر' آزمایا جا سکتا ہے۔

البتہ ڈونلڈ ٹرمپ کی شخصیت کا ایک پہلو غیر واضح ہے۔ جس کے بارے میں عام طور پر کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

یقیناً اس میں ان کی شخصیت اور ملک کی طاقت کا دخل زیادہ ہے کہ وہ جہاں چاہیں، جو چاہیں پہلے سے موجود اصولوں کی ایسی تیسی پھیر دیں اور پرانے چلے آ رہے اصولوں کو اپنے حق میں نہ دیکھیں تو انہیں فرسودہ بلکہ چاہیں تو بے ہودہ کہہ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیں۔

ان کا اقوام، ممالک اور حتیٰ کہ دوسرے ملکوں میں موجودہ حکمرانوں اور شخصیات کے بارے میں بھی یہی طریقہ دیکھنے میں آسکتا ہے۔ امکانی طور پر وہ عملیت پسندی پر مبنی فیصلے زیادہ کر سکتے ہیں۔

ڈونلڈ ٹرمپ اور مشرق وسطیٰ:

بظاہر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ انہوں نے اپنی انتخابی مہم کے دوران جنگوں سے جس بیزاری کا اظہار کیا ہے، مشرق وسطیٰ کے لیے بھی وہ اسی انداز سے سوچیں گے۔

بلاشبہ مثبت طرز فکر یہی ہے کہ یہ گمان رکھا جائے مگر صدر ٹرمپ سے زیادہ توقع یہ ہے کہ وہ جنگوں کے خاتمے کے اپنے اعلان کو یوکرین اور روس کی جنگ کے سلسلے میں زیادہ اہم سمجھیں گے۔

فطری بات ہے کہ جو اہمیت امریکہ و یورپ کے لیے یوکرین کی ہے وہ مشرق وسطیٰ کے کسی بھی عرب ملک یا فلسطین کی ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اس کی ایک وجہ تزویراتی ہے اور دوسری معاشی وجہ ہے۔ یوکرین میں امریکہ و یورپ کو جنگ پر اپنی جیب سے خرچہ کرنا پڑتا ہے جبکہ مشرق وسطیٰ میں حالات جس قدر خراب ہوں گے اس سے اسلحے کی فروخت سے کمائی کا بھی امکان اتنا ہی بڑھتا رہے گا۔

مشرق وسطیٰ میں مسائل کی حیثیت امریکہ اور یورپ کے لیے 'آم کے آم گٹھلیوں کے دام' والی ہے۔

اسی لیے بہت سے مصرین کے خیال میں مشرق وسطیٰ میں امن و امان اور استحکام عالمی طاقتوں کی ضرورت نہیں ہوسکتا۔

بہر حال غزہ میں جاری اسرائیلی جنگ کے بارے میں امریکی حکمت عملی کو اس طرح بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ اس جنگ کے خلاف سلامتی کونسل میں چار قراردادوں کو امریکہ نے ویٹو کیا ہے۔

اب نومنتخب امریکی صدر نے بھی جو بات کھل کر اور بہ تکرار کہی ہے، وہ جنگ بندی کے لیے اجتماعی اپیل نہیں ہے، بلکہ حماس کے لیے دھمکی کی صورت سامنے آئی ہے کہ 20 جنوری سے پہلے پہلے اسرائیلی یرغمالیوں کو رہا کر دو۔

ڈونلڈ ٹرمپ نے یہ دھمکی دو مرتبہ دی ہے۔ جنگیں روکنے کا دعویٰ اپنی جگہ مگر حقیقت اپنی جگہ، پچھلے ایک ماہ کے دوران امریکہ نے عراق و شام میں اپنی فوجی نفری میں چپ چاپ اضافہ کر لیا۔ امریکہ اپنے اضافی جنگی اثاثے دو اڑھائی ماہ قبل ہی خطے میں بھیج چکا تھا۔

شام میں حالیہ دنوں میں اسرائیل کے علاوہ جس ملک نے سب سے زیادہ بمباری کی وہ بھی امریکہ ہی ہے، اس لیے شام میں بشارالاسد کے بعد کے منظر نامے سے فائدہ اٹھا کر امریکہ و اسرائیل اپنے قدم جمانے یا آگے بڑھانے کی کوشش نہ کریں، یہ ناقابلِ یقین لگتا ہے۔

یہ خطرہ زیادہ ہے کہ غزہ کے علاوہ اسرائیل ٹرمپ کی مدد سے مقبوضہ مغربی کنارے کو بھی مستقل طور پر ہڑپ کرنے کے لیے اقدامات کرے۔ جیسا کہ ری پبلکن ارکان کانگریس کی طرف سے پچھلے ماہ دسمبر میں اس طرح کا ایک مسودہ بھی پیش کیا جا چکا ہے جو مغربی کنارے کو اسرائیل کے حصے کے طور پر تسلیم کیے جانے کی سفارش کرتا ہے۔ نیز یہ بھی خدشہ ہے کہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے بارے میں ناجائز فیصلہ کاری میں ٹرمپ کے زیر قیادت امریکہ اسرائیل کے ساتھ کھڑا ہو۔ اپنے پہلے دور صدارت میں بھی ٹرمپ بیت المقدس کو اسرائیلی دارالحکومت تسلیم کر چکے ہیں۔

اسرائیل کی انتہا پسند حکومتی اتحادی جماعتیں ٹرمپ کے دوبارہ صدر بننے کو اسرائیل کے لیے ایک غیر معمولی موقعے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یقیناً یہ اولین درجے میں فلسطینی علاقوں پر اسرائیلی قبضے کو مستحکم کرنے اور ثانوی درجے میں پورے مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی اثرات یا عمل داری کا پھیلاؤ کرنا چاہیں تو یہ بات ہرگز اچنبھے کی نہیں ہوگی۔ خصوصاً ایسے ماحول میں جب آس پاس سے کوئی مزاحمت کرنے والا ملک نقشے پر موجود نہ ہو۔ امریکہ اور اسرائیل کے درمیان یہ سوچ ہونا فطری ہے۔

صید تو ایں میش و آں نخچیر من

اس لیے 'گریٹر اسرائیل' کا اسرائیلی خواب ہو یا 'گریٹر مشرق وسطیٰ' کا امریکی نقشہ، دونوں ایک ہی ہدف کے الگ الگ اظہار ہیں۔

امریکہ کو اس خطے پر اپنی بالادستی قائم و دائم رکھنا ہے تو وہ اسرائیل یہ باور کرانے میں کامیاب رہا ہے کہ اسے خطے میں اسرائیل کی علاقائی بالادستی کو قائم کرنا پڑے گا۔

لہٰذا دونوں کی ضرورت ہے کہ مشرق وسطیٰ میں 'کشمکش' کا تسلسل رہے اور ان کے لیے جگہ بنتی اور بڑھتی رہے۔

شام میں تبدیلی:

امریکہ کی سابق وزیر خارجہ کونڈا لیزا رائس نے 2006 میں اسرائیلی وزیر اعظم ایہود اولمرٹ اور اسرائیلی عوام کو خوش خبری سنائی تھی کہ 34 دنوں پر محیط لبنان۔ اسرائیل جنگ وہ 'درد زہ' ہے جس سے ایک نیا مشرق وسطیٰ جنم لے گا۔

غزہ، لبنان، شام و یمن حتیٰ کہ عراق و ایران تک اسرائیلی تباہی کی دسترس میں ہے۔ اس صورت میں مشرق وسطیٰ کی نئی صورت گری کا امکان اسرائیل کیوں نہیں دیکھنا چاہے گا۔ گذشتہ برس آٹھ دسمبر کے بعد اسرائیل نے جس طرح شام کو اپنے لیے آسان تر دیکھا ہے اور گولان کی پہاڑیوں اور بفرزون پر 'فوجی نقل و حرکت' کی ہے وہ غیر معمولی ہے۔

مزید یہ کہ شام کے جس علاقے میں چاہا بمباری کر کے جو چاہا تباہ کر دیا۔ شام میں حالیہ دنوں کی امریکی بمباری بھی اسی ضرورت کے تحت جاری رہی۔

اس لیے 'تحریر الشام' تنظیم شام کو آزادی دلا سکے گی؟ اس سوال کا ابھی جواب دینا 'تحریر الشام' کی دل آزاری کا باعث بن سکتا ہے۔ شام خانہ جنگی کے برسوں میں جس قدر کمزور اور متزلزل تھا آج بھی کم و بیش وہی صورت حال ہے۔

اس کے اندر جتنے تضادات موجود ہیں اور جتنی بڑی تعداد میں اس کے اندر 'سٹیک ہولڈرز' ہونے کے دعوے دار ہیں، اس کے بیرون سے بھی اتنے ہی حملہ آور اور 'سٹیک ہولڈرز' گدھوں کی طرح موقعے کی تلاش میں ہیں۔

خطرہ ہے کہ اگر شام کو ان اندرونی و بیرونی 'سٹیک ہولڈرز' نے مستحکم نہ ہونے دیا تو عدم استحکام کا یہ سفر شام کے گردو پیش میں پھیلنے سے روکا نہ جا سکے گا۔

شام کے پڑوسی ممالک تک اس کی زد میں آئیں گے۔ ایسے میں یہ خطرہ بھی کہ شام ایک بہانہ اور آس پاس کے ملک نشانہ بننے لگیں گے۔

دیوار کیا گری مرے خستہ مکان کی
لوگوں نے میرے صحن میں رستے بنا لیے

ایران کی کمزوری:

ایران گردو پیش میں اپنے حمایت یافتہ مزاحمتی گروپوں کی شکست و ریخت سے تاریخی کمزوری کا شکار ہوا ہے۔ حزب اللہ کو لگنے والا دھچکا ہی ایران کے لیے کافی سنگین تھا۔ لیکن اسے امید تھی کہ شام میں بشارالاسد کی موجودگی کے باعث وہ کچھ عرصے میں چیزوں کو سنبھال لے گا۔

اب بشارالاسد کے بعد معاملہ زیادہ بگڑ گیا ہے۔ عراق بھی ایرانی اثرات سے نکل رہا ہے۔ گویا ایران جو کبھی اسرائیل کے لیے چیلنج بننے کی کوشش میں ہو سکتا تھا، اب وہ ماضی کی طرح سامنے نہیں ہے۔

ایرانی جوہری پروگرام، میزائل پروگرام اور ڈرون طیاروں کی تیاری امریکہ و یورپ کے علاوہ اسرائیل کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔

ٹرمپ جنہوں نے پچھلے دورِ صدارت میں امریکہ کے ساتھ جوہری معاہدہ ختم کر دیا تھا، اب وہ کیونکر ایران کو اس کے لیے موقع دیے رکھیں گے۔

یہ ممکن ہے کہ امریکہ ایران کو ٹارگٹ کرنے کے لیے الزام براہ راست اپنے اوپر نہ لے اور اسرائیل کے ذریعے 'سرجیکل سٹرائیکس' کر کے ایران کے جوہری پروگرام اور معاشی حالت کے حوالے سے اپنے اہداف پورے کرتا رہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس طرح صرف ایران ہی اسرائیل یا امریکہ کے نشانے پر رہے گا۔ اسرائیل ایران کے آس پاس اور اڑوس پڑوس کے دیگر ملکوں سے درگزر کرتا رہے گا۔

بڑی واضح سی بات ہے کہ امریکہ 'گریٹر اسرائیل' کے اپنے نقشے میں رنگ بھرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرے گا۔

اسی مقصد کے پیش نظر اعلان کردہ نئے مشرق وسطیٰ کو امریکہ بھی اپنے اہداف کے طور پر سامنے رکھے ہوئے ہے۔ وہ کبھی خود آگے ہوگا اور کبھی اسرائیل کو آگے کرتا رہے گا۔

نیز جب ضروری سمجھے گا وسیع تر مشرق وسطیٰ میں شامل کیے گئے ان ملکوں کو باہم لڑاتا رہے گا۔ 'گریٹر اسرائیل' اور 'گریٹر مشرق وسطیٰ' کے تناظر میں یہ پرت سال 2025 میں کھلتے رہنے کا اندیشہ ہے۔

اسرائیل نے حماس کو غزہ میں تنہا کر کے اور الگ کر کے نشانہ بنا لیا ہے۔ اب یمن کے حوثی اور ایران نشانے پر ہیں۔ ماضی میں تقریباً اسی انداز سے یہ کام بغداد میں ہلاکو خان کرتا رہا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آنے والے دنوں میں پاکستان کے جوہری میزائلوں کو بہانہ بنا کر کوئی نیا جواز گھڑ لیا جائے۔ اسرائیل کے راستے میں موجود کئی رکاوٹیں پہلے کی طرح موجود نہیں رہی ہیں۔

پاکستان کے میزائل پروگرام پر پابندیاں اس سلسلے میں خطرے کی گھنٹی سمجھی جانی چاہییں، البتہ چین جیسی بڑی طاقت کے آس پاس کمزوری و عدم استحکام پیدا کرنا اور چین کے اتحادیوں اور کاروباری اتحادیوں کو کمزور کرنے پر اس کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟ یہ وقت آنے پر ہی اندازہ ہو سکے گا۔

تجزیہ: محمد صمیم۔نظام آباد

اسرائیل وحماس کے درمیان جنگ بندی۔۔۔

طاقت کی ہار اور عزم کی جیت

حماس اور مغربی ویورپی دنیا یعنی اسرائیل کے مابین جنگ بندی معاہدہ پر اتفاق ہوگیا اتوار سے اس جنگ بندی کا نفاذ عمل میں آجائے گا۔ دنیا جب یہ کہہ رہی تھی کہ حماس اور اسرائیل کی جنگ کو امریکہ بہادر نہیں رکوانا چاہتا ہے اور اگر امریکہ چاہتا تو ایک دن میں جنگ رک سکتی ہے۔ امریکی صدر جو بائیڈن گزشتہ 15 ماہ سے جنگ بندی کے لیے کام کر رہے تھےلیکن جنگ بندی نہیں ہوسکی اور ٹرمپ نے ایک انتباہ دیا کہ 20 جنوری سے قبل جنگ بندی ہوجانا چاہیے تب جنگ بندی معاہدے پر دونوں فریق متفق ہوگئے۔ کہنے سے زیادہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جنگ بندی پر اسرائیل آمادہ ہوگیا۔ 15 ماہ سے زائد عرصہ سے جاری اس جنگ نے آج دنیا کے کئی ممالک کا غرور پیوند خاک کردیا۔ کبھی حماس کو ختم کرنے کی بات کرنے والے اور اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کا خواب دیکھنے والے نے اسی حماس سے آج معاہدہ کیا۔ یہ کس کی جیت ہے یہ سوال پوری دنیا میں آج کا سب سے اہم سوال ہے اور اسی پر پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل میڈیا پر زیادہ گفتگو ہو رہی ہے۔ جنگوں کے ماہر تجزیہ کار اسی پر اپنا تجزیہ دے رہے ہیں کہ جیت کس کی ہوئی۔ دیکھا جائے تو اس جنگ نے دنیا میں جنگوں کے فتح و شکست کے پیمانوں کو تبدیل کردیا۔ یہ فتح حماس کی نہیں ہے بل کہ طاقت وقوت کے بالمقابل عزیمت کی فتح ہے۔ قربانیوں کی فتح ہے۔ یقین کی فتح ہے اپنے ملک اور القدس کی آزادی کا خواب دیکھنے والے دیوانوں کی جیت ہے۔ اسے حماس کی فتح کہہ لیں یا فلسطینی عوام کی، نام کچھ بھی دے لیں۔ اور یہ شکست اسرائیل کی نہیں بل کہ مغربی و یورپی دنیا وسرمایہ دارانہ نظام کی شکست ہے۔ اس جنگ نے دنیا کے سامنے نام نہاد تہذیب یافتہ ممالک کی تہذیب کو آشکار کردیا۔ ایک اور مرتبہ یہ بات واضح کردی کہ دنیا میں اپنے آپ کو تہذیب یافتہ سمجھنے والے ممالک اصل میں مفاد پرست، سرمایہ دارانہ نظام کے محافظ اور کمزوروں کے لیے جلاد ہوتے ہیں۔ یہ ممالک مفادات کے سامنے کسی بھی انسانی حقوق، تہذیب یا روایات کے پابند نہیں ہوتے۔ ساتھ ہی اس جنگ نے دہشت گردی کے معنی ومفہوم کو بھی بدل دیا۔ جو افراد اپنی زمین، اپنے گھر بار، کھیت کھلیان کی حفاظت کے لیے اور اپنے ملک کی آزادی کے لیے جنگ کرتے ہیں وہ دہشت گرد ہیں یا ایسے ممالک جو بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرتے ہیں، وہ دہشت گرد ہیں۔

تاریخ بڑی ظالم ہے وہ اپنے ہاں ہر چیز کو تحریر کرتی ہے اور آج تاریخ میں جو لکھا جا رہا ہے وہ کل آنے والی نسل کو یہی چہرہ دکھائے گی کہ دہشت گرد کون تھا اور کس کو دہشت گرد کہہ رہا تھا۔

اس جنگ نے اسرائیل کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا عسکری، معاشی، تہذیبی، سیاسی، سفارتی ہر سطح پر ہر لحاظ سے اسرائیل کو نقصان ہوا۔ دنیا کا سب سے بہترین جاسوسی نظام اور جاسوسی ایجنسی ہونے کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کا بھرم بھی ٹوٹ گیا۔ جو ملک جو دوسرے ممالک کو جاسوسی آلات فروخت کرتا تھا اس کی یہ حالت دنیا نے دیکھی کہ وہ اپنے ملک سے چند کلو میٹر کے اندر کی خبر کو کھوج نہیں سکا۔ اس کے جاسوسی ادارے اور جاسوسی آلات مکمل ناکام صرف ایک وقت کے لیے نہیں ہوئے بل کہ گزشتہ 15 ماہ میں بھی وہ اپنے مغوی شہریوں اور فوجیوں کی کھوج میں مکمل ناکام رہا۔ عسکری طور پر دنیا کی ایک بہترین فوج اور دفاعی و فوجی نظام و ہتھیار بنانے اور رکھنے کا بھرم بھی نہیں رہا۔ دفاعی فضائی نظام جس کو پوری دنیا میں فروخت کیا جاتا رہا اس کا بھرم بھی ٹوٹ گیا اور دنیا نے دیکھا کہ کس طرح ملک کے وزیر اعظم کا گھر بھی ڈرون اور میزائل حملے میں جلتا رہا۔ اسرائیل کی بکتر بند گاڑیاں جس کو دنیا کی سب سے بہترین بکتر بند گاڑیاں کہا جاتا رہا اتنی بڑی تعداد میں تباہ ہوئیں کہ اس کی ساکھ ہی دنیا میں متاثر ہو گئی اور جو ممالک ان گاڑیوں کا آرڈر دیتے تھے وہ اس پر مکرر غور کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اسرائیل کا عسکری لحاظ سے سب سے بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ دنیا نے یہ دیکھ لیا کہ اسرائیلی فوج اپنی ملک کی سلامتی و دفاع کا کردار ادا نہیں کر سکتی اور زمینی جنگ میں وہ کبھی بھی فتح حاصل نہیں کر سکتی۔ فضائی برتری بھی اس وقت تک ہی قائم رہ سکتی ہے جب امریکہ و یورپی ممالک اس کی اندھا دھند مدد کریں ورنہ اس کی عسکری قوت اتنی ہی ہے کہ وہ ایک ہفتہ بھی ملک کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ معاشی لحاظ سے یہ جنگ اسرائیل کے لیے اب تک کی سب سے زیادہ نقصان دہ جنگ ثابت ہوئی۔ اسرائیل کا شعبہ سیاحت تقریباً ختم ہو گیا۔ کئی ایک کمپنیاں بند ہو گئیں اور کئی کمپنیاں بند ہونے کے قریب پہنچ گئیں۔ کئی فضائی کمپنیوں نے اسرائیل کے لیے اپنی پروازوں کو محدود کر دیا کیوں کہ انہیں مسافروں کی قلت تعداد سے نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا۔ دفاعی صنعت جس کا پوری دنیا میں شور تھا اس کی قلعی کھل گئی۔ اسرائیلی کرنسی شیکل اپنی کم ترین سطح پر آ گئی ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں اہل افراد نے اسرائیل کو چھوڑ دیا اور کئی چھوڑنے کے لیے فیصلہ کر لیا ہے جس کی وجہ سے اسرائیل میں برین ڈرین کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ جس کی ماضی قریب میں مثال نہیں ملتی۔ کئی ملوں نے سفارتی تعلقات کو محدود کیا تو کئی ممالک نے سفارتی تعلقات ختم کر دیئے۔ جنگ میں بچوں، خواتین، ضعیف افراد کی بڑی تعداد میں ہلاکت و نیز

مدارس، دواخانوں اور شہری حمل و نقل کے ذریعے کو بمباری سے تباہ و برباد کرنے، صحافیوں، ڈاکٹروں کو نشانہ بنا کر قتل کرنے کی وجہ سے اسرائیل عوام و خواص کی نظروں میں ایک دہشت گرد ملک اور اس کا وزیر اعظم اس صدی کا سب سے بڑا دہشت گرد بن چکا ہے۔

جب قطری وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ حماس اور اسرائیل کے مابین جنگ بندی کے معاہدہ پر اتفاق ہو گیا ہے اور جنگ بندی کا نفاذ اتوار سے ہوگا تب تباہ حال افراد نے گھروں کے کھنڈرات میں جنگ بندی کا جشن منایا اور فلسطین کے پرچم لے کر سڑکوں پر آ گئے۔ دنیا اس پر حیران ہے کہ اپنے پیاروں کو کھونے والے اپنوں سے بچھڑنے والے گھروں کو مسمار ہوتے دیکھنے والے آخر کس جگر کے ہیں کہ وہ ابھی بھی جشن منا رہے ہیں۔ کئی افراد جن کے خاندان کے تمام افراد اسرائیلی بمباری میں شہید ہو گئے جن کا گھر کھنڈر بن چکا وہ بھی جشن کا حصہ تھے۔

قومیں ماتم سے یا ماضی سے زندہ نہیں رہتیں بل کہ زندہ قومیں جو تاریخ کو رقم کرتی ہیں وہ اپنی قربانیوں سے تاریخ کے صفحات رقم کرتی ہیں۔ غزہ کے عوام نے اپنی لازوال قربانیوں سے تاریخ رقم کی ہے۔ حماس کی قیادت نے عوام کے ساتھ قربانیوں کی جو داستان رقم کی ہے وہ قربانیوں کا سب سے زیادہ پر عزم حصہ ہے۔ دنیا نے بہت کم یہ دیکھا ہے کہ قیادتیں بھی قربیانیاں دیتی ہیں۔ اور جہاں جہاں قیادتوں نے قربانیاں دی ہیں وہاں کی عوام نے ان قیادتوں کو کبھی مایوس نہیں کیا۔ اسی لیے آج دنیا یہ کہنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ حماس کو شکست نہیں دی جا سکتی یا ختم نہیں کیا جا سکتا۔ دشمن یہ کہنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ حماس کے لڑاکے جتنی تعداد میں شہید ہوتے ہیں اس سے زیادہ تعداد میں نوجوان بھرتی ہونے کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ جنہیں شہادت کی تمنا نے جنگ میں جانے کے لیے بے چین کر دیا وہ کس طاقت و قوت سے مرعوب ہوتا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اس جنگ نے عرب بادشاہوں کی بزدلی کو طشت ازبام کر دیا۔ عرب بادشاہوں کی امریکہ نوازی نے دنیا کے سامنے انہیں ننگا کر دیا۔ امت واحدہ جس کا کبھی وجود تھا آج عرب قومیت میں پارہ پارہ ہو گئی۔ جس القدس و فلسطین کے لیے عرب ممالک نے چھ دن جنگ کی تھی اور ہار بھی گئے تھے آج وہی عرب ممالک تماشائی بنے بیٹھے ہیں یا اسرائیل کی تائیدی ہیں۔ اس جنگ نے عرب کے حکمرانوں کی جانب سے امت کو نیا پیغام دیا ہے کہ جو جس مقام پر جس ملک میں رہتا ہے اپنے مسائل کو خود حل کر لیں۔ زیادہ سے زیادہ کفن بھیج سکتے ہیں یا کچھ امداد وہ بھی مغرب کی مرضی پر منحصر ہے ورنہ یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے البتہ جب غزہ تباہ ہو رہا تھا لوگ شہید ہو رہے تھے تب یہ ممالک ناچ و گانوں کے کنسرٹ کر رہے تھے۔

یادداشت: عبدالرحمٰن السدیس

سات اکتوبر 2023 کو حماس نے قابض اسرائیل پر حملہ کیا تھا، جانتے ہیں کیوں؟!

۱۷ سال سے غزہ والے قابضوں کے گھیرے میں تھے، ایک طرف سمندر تو باقی اطراف میں باڑ اور صہیونی فوجی درندے۔ ۳۶۵ کلومیٹر سکوائیر کے مکینوں میں سے ۶۴ فیصد خوراک کی کمی کا شکار تھے، غزہ سے باہر کہیں جانا ایسے تھا گویا جیل سے رہائی کے لیے کوشش کرنا ہو۔ غرض یہ ۳۶۵ کلومیٹر سکوئیر کے علاقے میں دنیا کی سب سے بڑی جیل تھی جس کے مکین ۲۳ لاکھ انسان تھے۔ مسجد اقصیٰ پر بار بار صہیونی دراندازی کرتے تھے اور اپنی دہشت گردی کا دائرہ وسیع کر رہے تھے۔ اور ۲۰۰۷ سے ۴ بڑی فوجی کاروائیاں بھی غزہ کے نہتے عوام پر ہو چکی تھیں۔ یہ وہی موقعہ تھا جب اقوام عالم میں اسرائیل کے ناقابل تسخیر ہونے کی بازگشت گونج رہی تھی، صہیونی نیتن یاہو اقوام متحدہ کے اجلاس میں گریٹر اسرائیل کے منصوبے کا اعلان کر چکے تھے، اور یہی موقعہ تھا جب عرب دنیا کے ممالک دن رات امیر ہونے کے خواب دکھائے جا رہے تھے اور ان خوابوں کو اسرائیل کو تسلیم کرنے سے مشروط کیا گیا تھا۔

عین اسی موقع پر اسلامی تحریک مزاحمت حماس کے دلیروں نے اپنے حق مزاحمت کو استعمال کرتے ہوئے دنیا بھر کو حیران کر دیا۔ خود قابضین حیران تھے کہ ۱۶ سال سے غزہ نامی جیل میں قید یہ لوگ سیکیورٹی حصار کیونکر توڑنے میں کامیاب ہوئے اور کیسے انکو کان و کان خبر بھی نہ ہوئی۔ قابض اسرائیل نے جنگ کا آغاز اس دعوی سے کیا کہ وہ غزہ پر قبضہ کرے گا، اپنے قیدیوں کو چھڑوائے گا، فلسطین کا نام لیوا کوئی نہیں بچے گا اور اسلامی تحریک مزاحمت حماس کا خاتمہ ہوگا۔ تاہم، قابض افواج کو فلسطینیوں کے پختہ عزم اور اپنی سرزمین سے محبت کا سامنا کرنا پڑا، اور وہ اپنے کسی بھی اعلان شدہ یا پوشیدہ مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ اہل غزہ نے اپنی سرزمین پر ڈٹے رہ کر ثابت کر دیا کہ وہ اپنی سرزمین سے جانیں بچا کر بھاگیں گے، نہ پیچھے ہٹیں گے، اور انہوں نے مزاحمت کا مضبوط ترین حصار بن کر دشمن کا مقابلہ کیا۔

حماس کے بہادر مجاہدوں نے اپنی جرات مندانہ کارروائیوں اور بے مثال بہادری سے دنیا کو حیران کن حد تک متاثر کیا، اس جنگ کے آخری لمحے تک محاذ پر ڈٹے رہے۔ انہوں نے اپنے عزم اور حوصلے سے بے مثال کارنامے سرانجام دیے، جیسے بارودی سرنگیں نصب کرنا، گولہ بارود فائر کرنا، گھات لگانا، اور دشمن سے دوبدو لڑنا جس سے دہشتگرد صہیونی نہ صرف بڑی تعداد میں ہلاک ہوئے بلکہ جو زندہ رہے وہ ہتھیار چھوڑ کر اور دم دبا کر بھاگتے دکھائی دیے۔

غزہ کی پٹی کے خلاف جو صرف 41 کلومیٹر لمبی ہے اور جس کی چوڑائی کہیں محض 6 کلومیٹر ہے اور کہیں 12 کلومیٹر۔ جنگ کے صرف پہلے 6 دنوں میں دہشت گرد قابض صہیونیصہیونیوں نے اتنے بم اور میزائل مارے جتنے ساری وار آن ٹیرر کی آڑ میں افغانستان پر امریکیوں نے نہیں مارے اور جتنے بم مکمل جنگ میں سارے عراق پر نہیں برسائے گئے۔ غزہ میں نہ کوئی گھر بچا ہے نہ سکول، نہ کوئی ہسپتال باقی ہے نہ کوئی کھیل کا میدان۔ 788,46 فلسطینی قتل کیے گئے اور 453,110 زخمی ہوئے، 370 ماہر ڈاکٹر مار دیے گئے، یونیورسٹیوں کے 160 پروفیسر قتل

ہو چکے، 235 فٹ بالر قتل ہو گئے، 18,000 بچے یتیم ہوئے، بات یہیں رکی نہیں بلکہ بھوک اور قحط کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا، روزانہ ۴۰ ٹرکوں کو امدادی سامان کے ساتھ ۲۳ لاکھ لوگوں کے لیے خوراک لے کر داخلے کی اجازت ملتی رہی حالانکہ ضرورت روزانہ ۱۰۰۰ ٹرکوں کی تھی۔ اور اتنی تباہ حالی کے بعد اب اقوام متحدہ کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ غزہ کو پہلے جیسا بنانے کے لیے ۱۸ سال درکار ہیں۔ گویا تمام تر جنونیت اور حیوانیت کا مترادف صہیونیت ٹھہری۔

قابض صہیونیوں کے سب سے بڑے حامی و مددگار کا تذکرہ کیے بغیر فلسطینیوں پر مسلط جنگ کا ذکر کرنا ادھورا ہے۔ کانگریشنل ریسرچ سروس میں جیریمی شارپ کی رپورٹ کے مطابق اگر افراط زر کے پیمانوں کو ذہن میں رکھیں تو اب تک امریکہ اسرائیل کو 317 ارب ڈالر سے نواز چکا ہے۔ ٹائم میگزین کے مطابق حالیہ جارحیت کے پہلے 10 دنوں میں امریکہ نے پانچ بار اسرائیل کو جنگی امداد بھجوائی۔ اسرائیل کے 14 NOW کے مطابق حالیہ جارحیت کے ابتدائی دو ماہ میں امریکہ سے جنگی مدد لے کر اسرائیل پہنچنے والے جہازوں کی تعداد 200 تھی۔ 60 دنوں میں ان 200 جہازوں میں جو جنگی ساز و سامان اسرائیل پہنچایا گیا اس کا وزن 10 ہزار ٹن تھا۔ وال سٹریٹ جرنل کے مطابق اس جنگ کے پہلے تین ماہ میں امریکہ نے اسرائیل کو 15 ہزار بم دیے جن میں سے 5 ہزار ان گائیڈڈ بم تھے۔ اس کے علاوہ 155 ایم ایم کے 57 ہزار آرٹلری شیل فراہم کیے گئے۔ یاد رہے کہ یروشلم پوسٹ کے مطابق جنگ کے پہلے دو ماہ میں اسرائیل نے 10 ہزار آرٹلری شیل فائر کیے۔ مارچ تک امریکہ سے اسرائیل کے ساتھ کیے گئے اسلحہ کی ترسیل کے معاہدوں کی تعداد 100 سے زیادہ ہو چکی تھی اور جو بائیڈن انتظامیہ نے اس سلسلے میں اتنی بے تابی دکھائی کہ کانگریس کو بھی بائی پاس کرتے ہوئے اسرائیل کو اسلحہ فراہم کیا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اس اسلحہ کی مالیت 23 ارب ڈالر تک ہو سکتی ہے۔ ماہرین کی جانب سے اندازے اس لیے لگائے جا رہے ہیں کہ اسرائیل کو اسلحہ دینے کے صرف 2 معاہدے منظر عام پر آ سکے باقی سب کو خفیہ رکھا گیا۔ وال سٹریٹ جرنل کے مطابق جارحیت کے چوتھے دن اس خطے میں 2 امریکی ایئر کرافٹ کیریر پہنچ چکے تھے۔ واشنگٹن پوسٹ کے مطابق امریکہ کا اینٹی میزائل دفاعی نظام بھی اسرائیل کے دفاع کے لیے نصب کیا جا چکا تھا۔ وال سٹریٹ جرنل ہی کی رپورٹ کے مطابق جنگ کے پہلے ہفتے میں ہی 2 ہزار امریکی فوجی کسی بھی وقت اسرائیل پہنچنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ باراک ریوڈ کی رپورٹ کے مطابق امریکہ کے لیفٹیننٹ جنرل جیمز گنز اپنی افسران کی ٹیم کے ساتھ اسرائیل پہنچے اور غزہ میں جارحیت کے سارے عمل کو خود دیکھا اور اسرائیل کی معاونت کی۔ ٹائمز آف اسرائیل کے مطابق اسرائیل میں دو امریکی ایئر بیس کام کر رہے ہیں۔ واشنگٹن پوسٹ کے مطابق سی آئی اے، ڈی آئی اے اور ایف بی آئی کے اہلکار تو مستقل بنیادوں پر وہاں موجود رہتے ہیں اور اسرائیل کی معاونت کرتے ہیں۔

دوسری جانب اس جنگ کے دوران جنہوں نے فلسطینی عوام کی حمایت کی انکی تعداد بھی بہت بڑی ہے۔ خاص طور پر حزب اللہ کے مجاہدین، جنہوں نے القدس کی آزادی کے لیے سینکڑوں شہداء دیے، اسی طرح یمن کے انصار اللہ، عراق کے مجاہدین اور اسلامی جمہوریہ ایران جنہوں نے ہر موقع پر ثابت قدمی اور ایثار کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح ان تمام ممالک کے کرداروں کو بھی یاد رکھا جائے گا جو مختلف میدانوں میں فلسطینی عوام اور مزاحمتی تحریک کے ساتھ کھڑے ہوئے: جیسے ترکیہ، جنوبی افریقہ، الجزائر، روس، چین، ملیشیا، انڈونیشیا، بیلجیئم، اسپین، آئرلینڈ، ناروے، پاکستان اور دنیا کے تمام باضمیر انسان اور اقوام جنہوں نے ہر موقع پر فلسطینی عوام کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا۔ اور ان طلبہ و طالبات کا تذکرہ کرنا بھی نہایت ضروری ہے جنکی طلبہ تحریک نے فلسطینی عوام کو ہر موقع پر قوت کا احساس دلایا اور کبھی تنہا ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا۔

قابض افواج اور ان کے حامیوں کی طرف سے کیے گئے وحشیانہ نسل کشی، نازی جنگی جرائم اور انسانیت دشمن اقدامات، جو 467 دنوں تک جاری رہے، ہمیشہ فلسطینی عوام اور دنیا کی یادوں میں محفوظ رہیں گے۔ یہ جدید دور کی سب سے بھیانک نسل کشی ہے، جس میں تکالیف، اذیتیں اور مصائب کے تمام رنگ شامل تھے۔ نسل کشی کی جنگ کے وہ واقعے ہمیشہ انسانیت کے ماتھے پر ایک دھبہ بن کر رہیں گے، اور دنیا کے خاموش اور کمزور کردار کی علامت ہوں گے۔ فلسطینی کبھی نہیں بھولیں گے کہ کس نے اس نسل کشی میں حصہ لیا، چاہے وہ سیاست اور میڈیا کی سطح پر اس کے لیے پردہ ڈالنے والے ہوں، یا وہ جنہوں نے ہزاروں ٹن بموں اور بارودی مواد کو غزہ کے معصوم عوام پر گرایا۔

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا کے مصداق فلسطینی قیادت کو اپنے موقف کی صداقت اور اپنے اقدامات کے جائز ہونے پر ذرا بھر شبہ نہیں تھا۔ اس لیے جب قطر نے ثالثی کی کوششیں شروع کیں تو حصہ بننا قبول کیا۔ ثالث ملکوں میں جو بھی شامل ہوا چاہے وہ قابض فوج کو اسلحے اور سفارت کاری سے سب زیادہ مدد کرنے والا امریکہ ہو یا کوئی اور ملک، حماس نے ان مذاکرات میں رکاوٹ نہ ڈالی۔ نومبر ۲۰۲۳ میں جب چند دنوں کے لیے جنگ بندی ہوئی تو حماس نے ۱۰۰ سے زائد قیدیوں کو رہا کر کے یہ باور کروایا کہ قیدیوں کے بدلے قیدی رہا ہونگے، اسرائیلی طاقت کے بل بوتے پر رہا نہیں ہو سکیں گے۔ اور یوں مسلسل ۱۵ ماہ اپنے مدلل موقف پر قائم رہے۔ ۲۷ مئی ۲۰۲۴ کو چند نکات پر اتفاق کے بعد اسرائیل بھاگ گیا تاہم حماس نے اسی پر قائم رہنے کا فیصلہ کیا۔ بالآخر قابض اسرائیل کو اسی طرف واپس آنا پڑا۔ فلسطینی مؤقف کی سچائی، اصول پسندی اور برسر زمین تلخ حقائق صہیونی اسرائیل کو ان شرائط پر راضی ہونے پر مجبور کر گئے جو پہلے روز حماس نے مذاکرات کی میز پر رکھے تھے۔

حماس مزاحمت، جدوجہد، قربانی اور شہادت کا استعارہ بن کر اپنا موقف پورے استدلال کے ساتھ پیش کرتی رہی۔ یوں ایک باوقار انداز کے ساتھ مذاکرات کا یہ سفر طے پایا۔ نہ دبے، نہ جھکے، نہ تھکے اور نہ ہی بھاگے۔ آج ١٦ جنوری ہے، طویل مذاکرات کے بعد معاہدہ ہو گیا ہے۔ ایک طرف اس معاہدہ کے بعد بوکھلایا ہوا اسرائیل ہے جس کو یہ زعم تھا کہ ساری ڈپلومیسی اسے آتی ہے کیونکہ پشت پر امریکہ بہادر بھی موجود ہے اور دوسری جانب بے سروسامانی اور بے گھر فلسطینی تاہم استقامت کا پہاڑ۔ لہذا اب محمد ضیف محمد ضیف ہم آپکے ساتھی ہیں کے نعرے بارود کی گھن گرج پر غالب آ چکے ہیں۔ لہذا قابضوں کے دعووں کے برعکس نہ ہی غزہ پر قبضہ ہو سکا، نہ ہی حماس کا صفایا ہو سکا اور نہ ہی اسرائیلی قیدیوں کو طاقت کے بل بوتے پر چھڑوایا جا سکا۔ لہذا یہ جنگ بندی فلسطینی عوام اور انکی تحریک مزاحمت حماس کی فتح ہے کہ جہاں اپنے تمام تر مقاصد کو بھی حاصل کر لیا گیا ہے اور قابض صہیونیوں اور انکے طاقتور پشت پناہوں کی سبکی بھی ہوئی ہے۔

جو بائیڈن کا تحفہ: سیز فائر کرانے کا دعویٰ، آٹھ ارب ڈالر کا مزید اسلحہ

خصوصی رپورٹ: رُبی مَیمُون

امریکی انتظامیہ کی تبدیلی کا عمل جاری ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ اپنی نئی انتظامیہ کے خدوخال واضح کر رہے ہیں۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ آنے والے لوگ جانے والوں کے منصوبوں کو نئے انداز سے جلد از جلد مکمل کرائیں گے۔ اگرچہ کہا جا رہا ہے کہ رخصت ہوتی جو بائیڈن حکومت کے 100 کے قریب ڈائریکٹوز منسوخ کر دیے جائیں گے۔ یہ اونٹ کے منہ میں کسی ایک کونے میں الجھے زیرہ کے برابر نہیں ہوں گے۔ نئے جاری کردہ احکامات ان سے بڑھ کر کام کریں گے۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جو بائیڈن نے کانگریس کو مطلع کیا ہے کہ اسرائیل کو نئے سال کے تحفہ کے طور پر 8 ارب ڈالر کا مزید اسلحہ دیا جائے گا۔ اس اسلحہ میں توپ خانے کے ہزاروں شیل، ہیل فائر میزائل، چھوٹے دھانے کے بم اور 500 پاؤنڈ کے جنگی ہتھیار شامل ہوں گے۔ یہ اسلحہ غزہ میں استعمال کیا جائے گا۔ امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے کانگریس سے کہا ہے کہ اسرائیل کی سلامتی کے لیے اس اسلحہ کی فوری ضرورت کو پورا کیا جائے۔ اس میں مذکورہ اسلحہ کے علاوہ فائٹر جیٹ اور اٹیک ہیلی کاپٹرز بھی دیے جائیں گے۔

یہ درست ہے کہ جو بائیڈن انتظامیہ کی جانب سے 8 ارب ڈالر کا یہ پیکج آخری ہوگا تاہم اسرائیل کے لیے یہ آخری نہیں ہوگا۔ ٹرمپ انتظامیہ کے کسی بھی پیکج کے لیے جو بائیڈن بہ مقابلہ ٹرمپ اب ٹرمپ بہ نسبت جو بائیڈن پیکج کی کیفیت ہوگی۔ صہیونی وزیر اعظم اور جنگی مجرم نیتن یاہو کا کہنا ہے کہ یہ کیفیت دراصل اسلحہ پر خاموش پابندی کے مصداق ہوگی،۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ اسرائیل کو اسلحہ ملے لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ یاد رہے کہ ڈیموکریٹ حکومت کی غیر مشروط اسرائیلی سپورٹ پر داخلی تنقید میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس کے باوجود ڈیموکریٹ حکومت نے اسلحہ کی فراہمی جاری رکھی ہے۔ اس تنقید کی زد میں جو بائیڈن اور انتونی بلنکن زیادہ آتے رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ یہ دونوں افراد اسرائیل کی حمایت میں بہت آگے نکل جاتے رہے ہیں۔ غزہ میں اس جنگی امداد کے بجائے انسانی بنیادوں پر امداد کی ضرورت بڑھتی رہی ہے۔ امریکی حکمت عملی یہ رہی ہے کہ غذائی امداد کی کمی دور کرنے کے بجائے بارودی غذا میں بار بار اضافہ کیا گیا ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کے درمیان حالیہ پیکج اس امر کا عملی اظہار ہے کہ دونوں ملکوں میں طویل رفاقت ماضی قریب میں مزید گہری ہوئی ہے۔ غزہ میں اسرائیل کے انسانیت کش اقدامات اس مدت میں بھی جاری رہے ہیں۔ انسانی حقوق کی شدید پامالی کو بین الاقوامی عدالت انصاف نے جرم تک قرار دیا ہے۔ غزہ میں اسرائیل کے حملوں کو براہ راست نسل کشی (Genocide) قرار دیا گیا ہے۔ بنجمن نیتن یاہو کو مرکزی ملزم قرار دیا گیا ہے۔ ان تمام امور کے باوجود امریکی امداد نہ روکی گئی ہے اور نہ ہی اس میں کمی ہی آئی ہے۔ اس نسل کشی میں 46 ہزار سے زیادہ فلسطینی مارے گئے ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ جب ریسکیو آپریشن کا آغاز ہوگا، تباہ شدہ عمارات کا ملبہ ہٹایا جائے گا تو ہزاروں انسان برآمد ہوں گے جو اسرائیل کی بمباری کے درمیان میں ان عمارات میں زندہ درگور کر دیے گئے۔

امریکہ ان حالات سے قطعی بے خبر ہرگز نہیں ہے۔ وہ ان کی سنگینی سے بھی آگاہ ہے۔ اس کے باوجود اس کی جانب سے 8 ارب ڈالر کے امدادی پیکج کا اعلان ان اعلانات کی تصدیق ہے کہ امریکہ کے نزدیک مشرق وسطیٰ کی کوئی عملی حیثیت نہیں ہے۔ غزہ میں عورتوں اور بچوں سمیت جس انتہائی درجے کی بھوک اور پیاس مسلط کر دی گئی ہے اور ادویات کی عدم فراہمی نے ان کی سنگینی میں اضافہ کیا ہے، اس کو دیکھا جائے تو یہ واضح اعلان ہے کہ امریکہ و اسرائیل کے لیے اصلی اہمیت انسانی نہیں ہے۔ وہ غزہ کی سرزمین حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس تصادم نما حملے میں 20 لاکھ سے زیادہ لوگوں کا دربدر ہونا ان تمام اعلانات کی صریحاً نفی ہے کہ غزہ میں کسی نوعیت کا نکبہ نہیں ہوگا۔ یہ اعلانات کملا ہیرس صدارتی مہم کے آغاز سے کرتی رہی ہیں۔

غزہ میں فائر بندی کے اعلان اور اسرائیلی کابینہ کی توثیق کے باوجود حملوں میں شدت پیدا کر دی گئی ہے۔ اس کا مقصد فائر بندی سے پہلے زیادہ سے زیادہ مفادات کا حصول ہے۔ ان حملوں میں زمینی پیش رفت کو گہرا کرنا بھی مقصود ہے تاکہ فائر بندی کے زیر اثر جس قدر زمین خالی کرنا ہوگی، اس کا زیادہ سے زیادہ حصہ لیا جا سکے اور بعد میں ناکہ بندی کو مزید سخت کیا جا سکے۔

فائر بندی کا فائدہ تب ہوگا جب امدادی قافلوں کی بلا روک ٹوک آمد کو آبادکار یہودیوں کے حملوں سے محفوظ بنایا جا سکے۔ اس امر کا امکان زیادہ ہوتا جا رہا ہے کہ فائر بندی کے بعد اسرائیلی صہیونی فوج آبادکار یہودیوں کے ساتھ مل کر اور ان کے بھیس میں امدادی قافلوں پر پہلے سے زیادہ شدت سے حملے کریں گے تاکہ غزہ کے اندر غذائی صورت حال اور بھی سنگین صورت اختیار کرتی جائے۔

اقتصادیات: تیمور بیگ

اسرائیل کو لازوال معاشی بدحالی کا سامنا ہے

اسرائیل کی معاشی درجہ بندی عالمی ادارے فچ (Fitch) نے (A+) سے (A) کردی ہے۔ اس کی وجہ غزہ میں جنگ کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ اسرائیل کے وجود کو لاحق جیو پولیٹیکل خطرات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ایجنسی نے اسرائیل کی آؤٹ لک بھی مثبت سے منفی کردی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس درجہ بندی میں مزید زوال آسکتا ہے۔ 7 اکتوبر کے بعد اسرائیل کی آؤٹ لک مسلسل ڈاؤن ہوتی گئی ہے۔ معیشت کے بارے میں مجموعی طور پر تشویش میں اضافہ ہوا ہے۔ اس سال کے آغاز پر Moody اور ایس اینڈ پی (S&P) کی طرف سے بھی صہیونی معیشت میں زوال ہی دیکھا گیا ہے۔

غزہ میں اسرائیلی حملوں نے اب تک 46 ہزار سے زیادہ فلسطینی شہید کیے ہیں۔ ان حملوں نے غزہ کی اقتصادیات کو بھاری نقصان پہنچایا ہے۔ اس بات کا امکان بہت بڑھ گیا ہے کہ معاشی میدان میں اس صہیونی ریاست کو شدید پسپائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ قوت خرید سے لے کر تجارت، سرمایہ کاری سب میں کمی در آئی ہے۔

فچ نے مزید خبردار کیا ہے کہ اسرائیل اور ایران میں بڑھتی کشیدگی سے دونوں ممالک کے فوجی اخراجات غیر معمولی حد تک بڑھتے جائیں گے۔

بنک آف اسرائیل کے تخمینے بتا رہے ہیں کہ 2023 سے 2025ء کے عرصے میں لاگت 55 ارب 66 کروڑ ڈالر تک بڑھ جائے گی۔ اسرائیل کے ہی ادارہ شماریات کا اندازہ ہے کہ ان پٹ 2.5 فیصد رہے گی۔ یہ 2024ء کے پہلے ششماہی کا اندازہ ہے جو پہلے 4.5 فیصد تھی۔ گویا 2 فیصد کمی واقع ہوگئی ہے۔

گرتی ترقی:

جنگ شروع ہونے سے پہلے ترقی کی شرح کا تخمینہ 3.5 فیصد سالانہ لگایا گیا تھا۔ سال کے آخر میں یہ شرح صرف 2 فیصد ہوسکی تھی۔ اس میں بھی تیزی سے منفی صورت حال کا خطرہ تھا۔ اسرائیل کی ٹیکنالوجی کے سیکٹر میں تیز رفتار ترقی منفی اثرات سے معیشت کو بچانے میں کامیاب رہ سکی تھی۔

اسرائیل کے دیگر شعبہ جات میں خاصی تنزلی دیکھی گئی۔ گزشتہ سال کے آخری کوارٹر میں اور جنگ شروع ہونے کے بعد ابتدائی چند ہفتوں میں اسرائیل کی جی ڈی پی 20.7 کی شرح سے گری تھی۔ نجی صارفیت میں 27 فیصد

کمی درآئی تھی۔ برآمدات میں بھی خاصی کمی واقع ہوئی تھی۔ کاروبار میں سرمایہ کاری میں کمی نوٹ کی گئی تھی۔ ایک گھر کے بجٹ سازی میں بھی مشکلات کا سامنا عام اسرائیلی کو کرنا پڑا تھا۔

اسرائیل نے جنگ کے آغاز سے ہی فلسطینی ورکرز کی نقل و حرکت بالکل محدود کردی تھی۔ اس کمی کو دور کرنے کے لیے اسرائیل نے بھاری تعداد میں بھارت اور سری لنکا سے افرادی قوت برآمد کرنا شروع کردی تھی۔ اس کے ملے جلے اثرات سامنے آئے۔ اس کے باوجود لیبر مارکیٹ میں مندی کا رجحان برقرار رہا۔ یہ کمی تعمیرات اور زراعت میں زیادہ محسوس کی گئی۔

کاروباری سروے کمپنی Coface BDI کے مطابق اس سال تقریباً 60 ہزار اسرائیلی کمپنیاں کاروبار بند کردیں گی۔ اس شدید عدم توازن اور کاروبار کے بارے میں منفی رجحانات بے یقینی میں اضافہ ہیں۔ سرمایہ کاری کے منصوبے تاخیر کا شکار ہوئے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ سیاحت کی صنعت کو جنگ نے شدید نقصانات سے دوچار کردیا ہے۔

جنگ کی وجہ سے حکومتی اخراجات میں بے پناہ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ مڈل ایسٹ اینالسٹ کے مطابق ایلیٹ گارسائیڈ کی رپورٹ اور آکسفورڈ اکنامکس کا کہنا ہے کہ فوجی اخراجات میں 93 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ یہ اضافہ 2023ء کے آخری تین مہینوں کا ہے۔

سال 2024ء میں ماہانہ بنیاد پر یہ اضافہ گزشتہ سال کی نسبت دوگنا ہے۔ اس میں سے بڑا حصہ ریزرو اخراجات میں ہوا ہے۔ توپ خانے کے علاوہ، اسرائیل کے آئرن ڈوم کے انٹرسیپٹرز (Interceptiors) کے اخراجات بڑھے ہیں۔

گارسائیڈ نے الجزیرہ کو بتایا کہ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ملک کے اندر سے قرض لیے گئے ہیں۔ اس سال امریکہ سے بھی اسرائیل کو ضمنی گرانٹ کی صورت میں 14 ارب 50 کروڑ ڈالرز ملے ہیں۔ اس رقم کے علاوہ 3 ارب ڈالر امریکہ نے سالانہ فنڈز کی صورت میں دیے ہیں۔

کہا جارہا ہے کہ ان اخراجات کے باوجود بجٹ کے دیگر حصوں میں قابل ذکر کٹوتیاں دوسرے شعبوں میں نہیں کی گئی ہیں۔ تعلیم اورصحت عامہ میں کوئی کٹوتی نہیں کی گئی ہے۔ یہ کہا جارہا ہے کہ جنگ کے بعدان میں کٹوتیاں کی جانے کا امکان موجود ہے۔

ایک مکمل علاقائی جنگ کی صورت میں آکسفورڈ اکنامکس کے مطابق اسرائیل کی معیشت کی شرح نمو 1.5 فیصد کم ہوجائے گی۔ خسارے بڑھ جائیں گے۔ پیداوار میں کمی نوٹ کی جائے گی۔ اسرائیل کے قرضوں کے بوجھ میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔ اس کی وجہ سے ادھار لینے کی لاگت بڑھ جائے گی اور سرمایہ کار کا اعتماد مزید نرم پڑ جائے گا۔

پبلک فنانس پر اضافی دباؤ:

فچ کو یہ توقع ہے کہ اب سے بااسرائیل کے پبلک فنانس

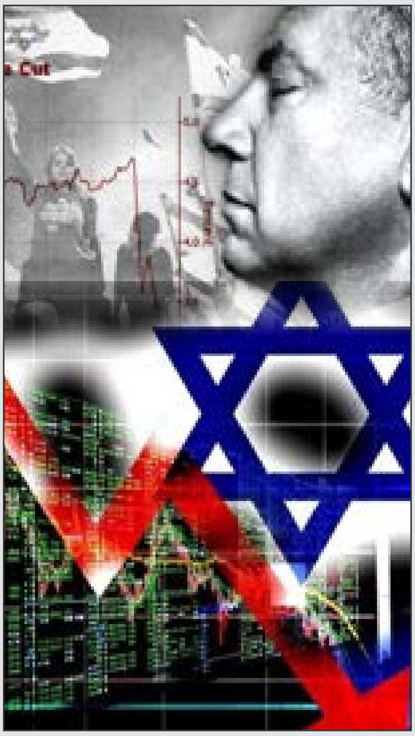

پر نئے اثرات مرتب ہوں گے۔ وہ مسلسل حالت جنگ میں رہے گا۔ اس کی جی ڈی پی کا 1.5 فیصد فوجی اخراجات میں ہر سال اضافے میں صرف ہوگا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں جنگ جاری رہے گی۔ اس جنگ کی شدت غزہ کی جنگی صورت سے زیادہ سنگین ہوتی جائے گی۔ گزشتہ مہینوں کی رپورٹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرض اسرائیل کی مجموعی قومی پیداوار کے 70 فیصد سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اس کی سیاسی صورت حال میں تناؤ پیدا ہوتا جائے گا، عوامی سطح پر مہنگائی، افرادی قوت میں کمی، صنعتی کاروبار میں مندی اور مجموعی طور پر سنگین اثرات مرتب ہوں گے۔ رپورٹ یہ بھی ظاہر کررہی ہے کہ پبلک فنانس پر دباؤ بہت بڑھ رہا ہے۔ 2024ء میں جی ڈی پی میں خسارے کی شرح 7.8 فیصد رہی ہے۔ اس سے پہلے یہ شرح 2023ء میں 4.1 رہی تھی۔ گویا گزشتہ سال کے مقابلے میں 3.7 فیصد کی شرح سے خسارہ بڑھتا گیا ہے۔ اسرائیل کے انتہائی دائیں بازو کے وزیرخزانہ بزازیل سموٹریک کو اس صورت حال سے اتفاق نہیں ہے۔ سموٹریک کا خیال ہے کہ یہ شرح 7.8 فیصد کے بجائے 6.6 فیصد رہے گی۔ گویا پھر بھی خسارے میں اضافہ 1.7 رہے گی۔

سموٹریک کا کہنا ہے کہ یہ ایک فطری خسارہ ہے۔ اس کی وجہ جنگ اور جیو پولیٹیکل حالات ہیں۔ اس امر کو میڈیا نے بھی بیان کیا ہے۔ سموٹریک کا خیال ہے کہ ایک ذمہ دار بجٹ پاس کرالیا جائے گا۔ اسرائیل کی درجہ بندی ''بڑی تیزی سے'' بہتر ہوجائے گی۔ تاہم اب تک بجٹ پر گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں اور یہ کیفیت بہت جلد یا بہت تیزی سے درست ہونے والی نہیں ہے۔

اس بات سے خدشات مزید بڑھ رہے ہیں کہ وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو اپنے مالی پیکج میں تاخیر کرتے جارہے ہیں۔ یہ پیکج عوامی اور معاشی اعتبار سے قبولیت حاصل نہیں کرسکے گا۔ اگر 31 مارچ 2025ء تک بجٹ منظور نہ کرایا جاسکا تو خودبخود قبل از وقت انتخابات لازمی ہوجائیں گے۔

اسرائیل کے مرکزی بنک کے چیف عامر یرون نیتن یاہو سے کہہ چکے ہیں کہ وہ 2025ء کے سٹیٹ بجٹ کی جلد منظوری کے لیے لازمی طور پر اقدامات کریں۔ ایسا نہ ہوا تو مالی طور پر عدم استحکام کو روکا نہیں جاسکے گا۔

درجہ بندی کے ادارے فچ کو یہ یقین ہو چلا ہے کہ اسرائیل کو بہت جلد ایسے اقدامات کرنا ہوں گے جن سے اخراجات میں زبردست کٹوتیاں کرنا ہوں گی۔ بڑے بڑے منصوبے روکنا پڑیں گے اور ترقی کی رفتار رک جائے گی۔ ٹیکسوں میں اضافے کو روکنا ممکن نہیں رہے گا۔ اپنی 12 اگست 2024ء کی رپورٹ میں اس ادارے نے کہا تھا کہ سیاسی صورت حال میں عدم استحکام بڑھ رہا ہے، اتحادی سیاست کو دھچکا لگ رہا ہے، فوجی ضروریات میں اضافے ہونے سے مالی طور پر استحکام کو خطرات لاحق ہیں۔ مزید یہ کہ درجہ بندی کی ایجنسی کا کہنا ہے کہ 2025ء میں غزہ جنگ میں اضافہ کئی دوسرے محاذ بھی کھول دے گا۔

علاقائی تصادم:

امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ انتونی بلنکن نے یہ بات کہی

تھی کہ نیتن یاہو حالات کے پیش نظر ایک پل سازی کی تجویز دے سکتے ہیں۔اس سے معاملہ جنگ کے بجائے سیز فائر کی طرف جائے گا۔حماس سے جنگ ختم کرنا ہوگی اور ایران سے بھی تصادم روکنا پڑے گا۔اس بیان کے اگلے ہی دن اسرائیل نے دیر البلاح میں حملہ کر کے پر ہجوم مارکیٹ میں 8 فلسطینی شہید کر دیے تھے۔

حماس پر اس بات کا انحصار ہے کہ وہ نیتن یاہو کی ایسی کسی کی تجویز پر کیا ردعمل ظاہر کرتی ہے۔حماس کو علم ہے کہ

ایسی تجویز سے دراصل امریکہ وقت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ اسرائیل کو غزہ میں نسل کشی (Genocide) کے لیے تازہ دم ہونے کی مہلت مل سکے۔اس کے بجائے حماس کا مؤقف یہ ہے کہ امریکی صدر جو بائیڈن کی پہلی تجویز پر غور کیا جاسکتا ہے۔اس تجویز میں کہا گیا تھا کہ سیز فائر کی صورت میں جنگ کے مستقل خاتمے کی راہ ہموار ہوسکتی ہے۔

نیتن یاہو حماس کا مکمل خاتمہ چاہتے ہیں، اگر اس کے ساتھ سیز فائر ہو بھی جائے تو اسے ختم کرنے کی مہم جاری رہ سکتی ہے۔اسرائیل کے سابق وزیر دفاع اور جنگی مجرم کا کہنا تھا کہ حماس کے خاتمے کا خیال محض خواب ہے اور کچھ نہیں ہے۔

اسرائیل نے لبنان پر مسلسل حملے کیے ہیں، اس کا حزب اللہ سے تصادم ہوا ہے۔ایک لمبی جنگ کے اسرائیل پر اثرات کی قیمت بہت زیادہ ہوگی۔خسارے میں بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔اسرائیل کے معاشی ماہرین اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔ایک لمبی جنگ کی قیمت ادا کرنے کی سکت ابھی اسرائیل میں نہیں ہے۔اس کی قیمت بہت زیادہ ہوگی۔افرادی قوت مزید سکڑ جائے گی۔ملکی بنیادی ڈھانچہ تباہ ہوتا جائے گا۔ بین الاقوامی پابندیوں کے امکانات بھی بڑھ جائیں گے۔

اسرائیل اس پہلو کو اب تک نظرانداز کر رہا ہے کہ معاشی طور پر بڑے نقصانات سے معاشرے پر برے اثرات بڑھتے جائیں گے۔حکومت ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کر رہی۔کیا وہ جنگ کی قیمت کو نظر انداز کر رہی ہے؟ کیا جنگ جاری رکھنے کے مقاصد سیاسی ہیں؟۔

غزہ کی جنگ سے اسرائیل کو ایک کھرب ڈالر کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔اسرائیل کو اب تک (اب سے مراد کم از کم تین ماہ پہلے ہے) جنگ سے ملکی کرنسی شیکل میں 250 ارب اور امریکی کرنسی میں 67.30 ارب ڈالر کا خرچ کرنا پڑا ہے۔فوجی مقتدرہ کا مطالبہ ہے کہ جنگی اخراجات کے علاوہ اسے سالانہ 5.39 ارب ڈالر دیے جائیں۔ یہ بات اسرائیل کے بنک Leumi کے سابق چیف نے کہی ہے جو یقیناً اہم ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اب تک خسارہ بہت بڑھ گیا ہے۔ ہمارے پاس زخمیوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔بہت سی معاشی ضروریات ایسی ہیں جن کا جنگی بجٹ میں شمار ہی نہیں کیا گیا۔

اسرائیل کے ایک سابق چیف مرکزی بنک جیکب فرینکل کا کہنا ہے کہ بجٹ کا خسارہ گزشتہ سال جولائی میں ہی 8.1 فیصد تک پہنچ گیا تھا۔ اسرائیل نے 2023ء کے سال کا آغاز زیرو خسارے سے کیا تھا۔ پھر صورت حال خراب سے خراب تر ہوگئی۔جولائی کے آخر تک خسارہ 8.1 فیصد ہوگیا، اب سب سے بڑا مسئلہ اسی خسارے کو روکنا اور ختم کرنا ہے۔اس کے لیے 42 ارب ڈالر درکار ہیں۔

ایک اور چیف یوری لیون کا کہنا ہے کہ اسرائیل اپنی معیشت کو اب دوبارہ بحال نہیں کر سکے گا۔اس کے لیے عالمی سرمایہ کاروں کا اعتماد حاصل کرنا ہوگا۔

میڈیا واچ: لمیس تغرید

اسرائیلی یرغمالی کے والد کے تاثرات: نیتن یاہو جنگی مجرم

''اسرائیلی وزیر اعظم کو بین الاقوامی عدالت نے درست طور پر ''جنگی مجرم'' قرار دیا ہے۔''

یہ غزہ میں کسی جگہ حماس کی حراست میں موجود اسرائیلی فوجی 19 سالہ نمرود کوہن کے والد یہودہ کوہن کے ہیں۔ ایک بیان میں انہوں نے کہا ہے کہ نیتن یاہو نے جنگی جرائم کا ارتکاب کیا ہے اور وہ عدالت کی طرف سے جاری کردہ گرفتاری کے وارنٹ کی حمایت کرتے اور ان وارنٹ کو درست قرار دیتے ہیں۔

نیتن یاہو کی غزہ پر بمباری کو طوالت دینے کی حکمت عملی کو یہودہ کوہن نے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس طوالت کے پس پردہ نیتن یاہو کے ذاتی مفادات ہیں۔ ان خیالات کا اظہار کسی عام جگہ یا میڈیا کے سامنے نہیں کیا گیا بل کہ اسرائیل کی پارلیمان کینسیٹ میں کیا گیا ہے۔ پارلیمان میں ان یرغمالیوں کے اہل خانہ کو ان کی دل جوئی اور ان کے مسائل سننے کے لیے بلایا گیا تھا جو غزہ میں حماس کی قید میں ہیں۔ ان خیالات کے سننے کے بعد ارکان پارلیمنٹ میں غصے کے اظہار کے رویے دیکھنے میں آئے۔

یہودہ کوہن نے سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے واضح طور پر کہا کہ نیتن یاہو نے غزہ میں فلسطینیوں کے خلاف جنگی جرائم نہیں کیے بل کہ وہ خود اپنے ہی فوجیوں کے خلاف بھی جرائم کیے ہیں جو وہاں تعینات کیے گئے ہیں۔ اس موقع پر وزیر اعظم کی لیکوڈ پارٹی کے رکن پارلیمان ایم کے ایلیاھوری واٹیوو نے یہودہ کے خیالات پر برسنے کے انداز میں کہا کہ ''اگر تم نے اپنے ان ناقابل برداشت الفاظ کو نہ روکا اور اسی طرح سے بات کرتے رہے تو تمہارا بیٹا حماس کے بے رحم ہاتھوں سے کبھی آزادی نہیں پا سکے گا اور برسوں ان کی قید میں سڑتا رہے گا۔

یہودہ نے ان مخالفانہ ردعمل کے باوجود کہا کہ وہ بین الاقوامی قانون کا احترام کرتے ہیں۔ وہ بین الاقوامی عدالت برائے جرائم (آئی سی سی) کی طرف سے ان وارنٹ کے جاری کرنے کی مکمل اور غیر مشروط حمایت کرتے ہیں جو صیہونی وزیر اعظم اور ان کے ساتھیوں کے خلاف جاری کیے گئے ہیں۔ اس کی وجہ انہوں نے یوں بیان کی کہ اسرائیل کی موجودہ اتحادی حکومت نے ریاست کے خلاف غداری کا ارتکاب کیا ہے۔ انہوں نے اتحادی حکومت کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا اور قرار دیا کہ یہ قاتل حکومت ہے اور وہ ایک قاتل نظریے پر عمل کر رہی ہے۔ یہ حکومت فلسطینی علاقوں میں ناجائز طور پر یہودی بستیاں تعمیر کر رہی ہے۔ یہودہ نے کہا کہ یہ حکومت فوجیوں کی بلاوجہ اموات کا سبب بن رہی ہے۔ مارے جانے والے فوجیوں کی زندگیاں اس کام سے زیادہ گراں قدر ہیں جس کے کرنے کے لیے انہیں غزہ بھیجا جا رہا ہے۔

یہودہ نے کہا:

''آپ کی جماعت کو لوگوں کے قتل سے مطلب ہے۔ اور سموٹریک نے فیصلہ کیا تھا کہ اس کے بچے قربان ہونے کے لیے بھیجے جائیں گے۔ کسی بھی ماں کے لیے یہ نہایت بھیانک فیصلہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس قاتل نظریے کو پورا کرنے کے لیے ملک کے ہر دوسرے خاندان کا بیٹا جنگ میں جھونک دیا گیا ہے۔ یہ نظریہ بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے۔''

کوہن نے کہا کہ یہی فاشزم ہے۔ یاد رہے کہ سموٹریک صیہونی کابینہ میں یہودی آبادکاری کے وزیر ہیں۔

حکومت مخالف احتجاج:

غزہ میں زیر حراست افراد کے خاندان مسلسل احتجاجی مظاہرے کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نیتن یاہو ان یرغمالیوں کو حماس کی حراست سے آزاد کرانے میں ناکام رہے ہیں۔ وہ غزہ پر مسلسل بمباری تو کر رہے ہیں لیکن ان کے پاس یرغمالیوں کو آزاد کرانے کی واضح حکمت عملی نہیں ہے۔

ان یرغمالیوں کے دوستوں اور اہل خانہ کی طرف سے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ ان میں کہا جا رہا ہے کہ نیتن یاہو غزہ جنگ میں کسی واضح حکمت عملی کے بغیر کود پڑے ہیں۔ اب یرغمالیوں کے اہل خانہ کا فورم اس کوشش میں ہے کہ سیاسی طور پر غیر جانب دار ہے اور گرفتار لوگوں کی واپسی کے لیے جد حد تک ممکن ہو سکے، راہ ہموار کرے۔

حماس کے پاس یرغمالی کے طور پر موجود نمرود کوہن کے بھائی یوتم کوہن نے بھی واضح طور پر کہا ہے کہ وہ غیر سیاسی ہیں۔ ان کے کسی طرح کے کوئی بھی سیاسی عزائم یا مقاصد نہیں ہیں۔ یوتم نے واضح کیا کہ یرغمالی بنائے گئے افراد کے اہل خانہ کا کسی سیاسی جماعت یا لیفٹ کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی طرف سے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ وہ اسرائیل کی سلامتی سے لاتعلق ہرگز نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل کی سلامتی اور یرغمالیوں کی رہائی میں سے کسی ایک کا انتخاب ہمارا راستہ ہرگز نہیں ہے۔ ہم دونوں چیزیں چاہتے ہیں۔ کسی ایک کے بارے میں ہمیں فیصلہ کرنے پر اکسانے والے نہ اسرائیل کے اور نہ ہی یرغمالیوں کے ہی خیر خواہ ہیں۔

کینیسٹ میں ہونے والی بات چیت کو میڈیا بہت کوریج دے رہا ہے۔ یرغمالیوں کے ورثاء نے کہا ہے کہ حکومت جو کچھ کہہ رہی ہے وہ سو فیصد درست نہیں ہے۔ میڈیا نے ''ایکس'' پر ایلیا ہو کے بیان پر سخت تنقید کی ہے۔ اپوزیشن لیڈر یائر لیپڈ نے ایلیاہو کے بیان پر کہا ہے کہ یہ کینیسٹ کی توہین پر مبنی بیان ہے۔ انہیں شرم سار ہونا چاہیے کہ وہ ایک یرغمالی کے والد پر اس طرح سے بے رحمانہ تنقید کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

غزہ پر اسرائیل کے حملوں کو 15 ماہ ہو چکے ہیں۔ اس میں صرف چند دنوں کا وقفہ آیا تھا جب 251 یرغمالیوں میں سے 105 کو فلسطینی قیدیوں کے تبادلے میں رہائی ملی تھی۔

شمالی غزہ کے کوچہ و بازار میں

انسانی تذلیل کی کربناک داستان مریم المقید کی کم سِن زبان سناتی ہے

روداد: ابوالعین

اسرائیلی فوجی دندناتے کمال عدوان ہسپتال کے وارڈز اور کمروں میں گھس آئے تھے۔ وہ سب کے سب مرد تھے۔ ان میں کوئی بھی خاتون نہیں تھی۔ انہوں نے 13 سالہ فلسطینی لڑکی کو اس کے بالوں سے کھینچ لیا اور زوردار آواز میں حکم دیا: ''لباس اتارو، لباس اتارو۔'' انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے گھٹنوں کے بل جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اس کی مختلف طرح سے توہین کرتے رہے۔ اسے نیم برہنہ کر کے شمالی غزہ کی جانب جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ شمالی غزہ میں اس کا گھر تھا۔ پھر اسے جنوب کی سمت جانے کا حکم دیا گیا۔ وہ تنہا جنوب کی سمت نہیں جا رہی تھی۔ وہ مریم المقید تھی۔

درجنوں اس جیسی لڑکیاں اور عورتیں اسی نوعیت کے جنسی تشدد اور استحصال سے دوچار جنوبی غزہ کی سمت دھکیل دی گئی تھیں۔ کہتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب ایک عورت کی صدا پر محمد بن قاسم کو دیبل روانہ کر دیا گیا تھا۔ راجہ داہر کو اس عورت کی صدا پر قیمت ادا کرنا پڑی تھی۔

اب ہزاروں عورتیں تھیں۔ چیخ و پکار کرتی جنوبی غزہ جا رہی تھیں۔ ان کی کوئی شاید ''صدا'' ہی نہیں تھی۔ راجہ داہر بے شمار تھے۔ صدا پر آنے والا محمد بن قاسم کوئی نہ تھا۔ اب وہ صہیونی فوجیوں کے ہوس کا نشانہ بن رہی تھیں۔ ان فوجیوں نے کمال عدوان ہسپتال پر دھاوا ہی تو بول دیا تھا۔ یہ حملہ تھا اور تین ماہ سے جاری تھا۔ مکمل ناکہ بندی تھی، حصار تھا۔ ہر چہار راجہ داہر تھے۔ کہیں سے امداد نہیں آ رہی تھی۔ کبھی دور تھا جب جمی کارٹر اور جارج بش کا امریکہ حقوق انسانی کے عنوان سے دنیا پر حملہ آور تھا۔ امریکہ تو وہی تھا لیکن اب حقوق انسانی کی پامالی کا عنوان لے کر غزہ پر اسرائیل کے ذریعے چڑھ دوڑا تھا۔ غزہ میں بھی انسان تھے لیکن ان کا عنوان جو بائیڈن اور بلنکن نے تبدیل کر دیا تھا۔ اب وہ حیوان نما انسان تھے، انسان نما جانور قرار پائے تھے۔ ان کی گنتی تو کی جا سکتی تھی، انہیں امریکہ کے حکم کے بغیر انسان قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔

اس تازہ یلغار میں صہیونی فوجی ہسپتال پہنچے تو انہوں نے اندر ہر شعبے کو آگ لگا دی تھی۔ دیا سلائی دکھا دی تھی۔ وہ ہر مریض کو گولیوں سے بھون رہے تھے۔ کوئی مر رہا تھا تو کوئی زخمی ہو رہا تھا۔ مسیحا بھی مارے اور زخمی کیے جا رہے تھے۔ طبی عملہ بھی اسی کرب سے گزارا جا رہا تھا۔ غالباً کمان اینڈ کنٹرول سسٹم تباہ کیا جا رہا ہوگا۔ پھر باقی بچ رہنے والے 350 ڈاکٹروں اور سٹاف کو ہسپتال سے بے دخل کر دیا گیا۔

کسی کے بالائی دھڑ پر کپڑے اور زیریں جسم عریاں تھا، کسی کا بالائی حصہ ننگا اور زیریں دھڑ ڈھکا ہوا، تو کوئی مکمل عریاں تھا۔ صیہونی قہقہے لگاتے، آوازیں کستے اور جب دل کرتا، جہاں کرتا، رائفلوں کے بٹ مارتے، گولیاں چلاتے، زخمی ہونے والوں کو نیم مردہ کرتے آگے چلنے، بل کہ بھاگنے پر مجبور کرتے جاتے تھے۔

مریم المقید اپنی دادی کے ہمراہ ہسپتال میں تھی۔ دادی بیمار تھی۔ مریم نے صحافیوں کو بتایا: ''اسرائیلی فوج نے ہسپتال کے اندر مختلف مقامات کو جلا دیا تھا۔ وہ ہر طرف شیل برسا رہی تھی۔'' اس نے مزید بتایا: ''یہ حملہ تقریباً ساڑھے تین گھنٹے جاری رہا۔ پھر حکم دیا گیا کہ ہر کوئی لان میں قطار میں لگ جائے۔''

مریم کہتی ہے کہ اس نے ابتدا میں مزاحمت کا سوچا، کسی حد تک وہ مزاحم ہوئی لیکن پھر سمجھانے والوں نے کہا کہ عزت بچاؤ، جان تو داؤ پر لگی ہے۔ چناں چہ وہ قطار میں شامل ہوگئی۔

عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ سب کو باری باری بڑے الفرید ہال میں لے جایا گیا۔ سب کی جامہ تلاشی لی گئی کہ شاید کسی سے سب مشین گن، کوئی توپ یا ٹینک ہی برآمد کیا جائے جس سے یہ ثابت کیا جائے کہ یہ القسام، القدس، الاقصیٰ یا کسی اور بریگیڈ کا کمان اینڈ کنٹرول سسٹم کا مرکز ہے۔ الفرید ہال میں توہین آمیز سوالات کیے جا رہے تھے۔

مردوں سے کہا گیا کہ انڈر وئیر کے علاوہ جو کچھ بدن پر ہے، اتار دیا جائے۔ عورتوں کو دیا گیا کہ وہ اپنے سکارف اتار دیں۔ بعض لڑکیوں اور عورتوں کو مکمل برہنہ کر دیا گیا۔

''ہم نے اپنے حجاب اتارنے سے انکار کر دیا، اس پر فوجیوں نے ہمارے حجاب کھینچے، نوچنے شروع کر دیے۔ بیس سال یا اس سے کم بچیوں کو کہا گیا کہ اپنے اہل خانہ سے، والدہ، دادی، نانی، پھوپھی سب سے الگ ہو جائیں اور جنوب کی سمت جانا شروع کر دیں، خاندان کے خاندان مجبور کر دیے گئے۔ لیکن سب نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر فوجیوں نے بعض خواتین کو برہنہ کر کے ان کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ وہ ان کو جنسی طور پر ہراساں کر رہے تھے۔''

المقید نے یہ سب بتایا تو وہ پھوٹ کر رو دی تھی۔ وہ ہمارے اور عورتوں کے نازک اعضاء پر ضربات لگا رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ جس کسی نے مزاحمت کی، اسے بری طرح مارا پیٹا گیا۔

پھر فوجی عورتوں اور بچیوں کو شمالی غزہ میں واقع الفخورہ سکول لے گئے۔ راستہ بھر ان پر حملے کرتے رہے۔ ان دھمکاتے رہے کہ وہ قید کر دی جائیں گی اور انہیں ان کے خاندان سے الگ کر دیا جائے گا۔

''وہ ہمیں کہتے کہ تمہاری ویڈیوز بنا کر، فلمیں بنا کر دنیا کو دکھائی جائیں گی، حماس والوں کو پیش کی جائیں گی۔ یہ کہا جائے گا کہ حماس غزہ میں انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ جب ہم سکول پہنچیں تو ہمیں بالوں سے بری طرح کھینچ کر سکول کے گراؤنڈ میں لایا گیا، وہ ہمیں باتھ رومز میں لے گئے اور حکم دیا گیا: ''کپڑے اتارو۔''

المقید ٹوٹے لفظوں اور چیختی آواز میں یہ سب بتاتی اور روتی

جاتی تھی۔ وہ بتا رہی تھی کہ جو عورتیں ان احکامات کو ماننے سے انکار کرتی تھیں، انہیں مارا پیٹا جاتا، ان کے لباس پھاڑ دیے جاتے۔ ان کے نازک اعضاء پر ضربیں لگائیں جاتیں، ایک حاملہ نرس کے پیٹ میں رائفل کے بٹ بار بار مارے گئے۔ ان سے کہا گیا کہ احکامات نہ ماننے کی سزا یہی ہے۔ مریم نے بتایا: ''ان کا بار بار اصرار تھا کہ کپڑے اتارو، عریاں ہو جاؤ۔'' وہ ہمیں بار بار بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے۔ وہ ہمارے ہی لباس اتروا کر ہمارے چہروں پر دے مارتے تھے۔ وہ ہمیں گھٹنوں کے بل جھکنے اور ہاتھ سر کے اوپر کرنے کی سزا دیتے تھے۔ اسی حال میں وہ ہمیں شمالی غزہ خالی کرنے کا حکم دیتے تھے۔ وہ ہمارے سر دیواروں سے زور سے ٹکراتے، خون فوارہ بن کے نکلتا اور چہرے ہمارے ہی لہو سے نہا جاتے۔

مریم المقید نے بتایا کہ فوجی بچوں کو ان کی ماؤں سے زبردستی جدا کرتے۔ ہمیں ٹینکوں کے پیچھے چلنے پر مجبور کیا جاتا۔ ایسے میں ان کا گہرا سیاہ دھواں ہمیں بھوت بنا دیتا۔

مریم نے بتایا کہ انہوں نے ہماری قطاریں بنوائیں اور کہا کہ حکم نہ ماننے پر وہ گولی مار دیں گے۔ پھر کہا گیا کہ فلاں فوجی جیپ کے ساتھ ساتھ چلتی رہو۔ اس حال میں وہ ہمیں فوجیوں کے گھیرے میں ابو شارخ راؤنڈ اباؤٹ تک لے گئے، پھر ہمیں حلابی گول چکر تک لایا گیا۔ پھر جبالیہ سٹریٹ تک چلنے پر مجبور کیا گیا۔

مریم نے بتایا کہ ان احکامات کو ماننے سے انکار پر اسے اور کچھ اور خواتین کو دوبارہ الفرید ہال لے جایا گیا۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ سب اپنے حجاب اتار دیں، ہم نے انکار کر دیا۔ پھر مرد فوجی آئے۔ انہوں نے ہمارے بال کھینچ کر ہمارے بال نوچنے شروع کر دیے۔

یہ سلسلہ کئی گھنٹے جاری رہا۔ وہ ہم پر حملہ آور تھے۔ اعلیٰ نامی خاتون نے بتایا کہ اسرائیلی فوجی غلیظ گالیاں دیتے اور ہذیان بکتے تھے۔ مردوں کے سامنے ہم پر لعنت ملامت کرتے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ہمیں مارتے اور تشدد کرتے تھے۔

فوجی ہمیں کہتے کہ شمالی غزہ خالی نہ کرنے پر اصرار کرنے والوں سے سختی سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ ہمارا اور مردوں کا مذاق اڑاتے اور کہتے تم ہیرو بننے کا ڈرامہ کر رہے ہو، ہم تمہارے سارے ڈرامے نکال دیں گے۔ اعلیٰ خاتون کا کہنا تھا کہ بوڑھے مرد اور عورتوں کو بھی انہوں نے معاف نہ کیا۔ ان سے بھی بے لباس ہونے کا کہا گیا۔ ان سے زبردستی پر کام کرایا گیا اور پھر ان کا مذاق اڑایا گیا۔

ایک بوڑھی خاتون نے نماز کے لیے دوہرا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ حجاب اوڑھے ہوئے تھی۔ فوجیوں نے اسے حکم دیا کہ وہ سارا لباس اتارے۔ انہوں نے ایسا کرنے کی وجہ نہیں بتائی اور اسے عریاں کر دیا گیا۔ جب وہ بے لباس کر دی گئی تو اسے رائفل کے بٹ مارتے اور قہقہے لگاتے کہا گیا: ''اب پہن لو، تم نے خواہ مخواہ لباس اتار دیا۔''

شمالی غزہ میں انسانیت کی تذلیل کا یہ ڈراما اکتوبر سے بلا روک ٹوک جاری ہے۔ اسرائیلی اب تک ہزاروں کو قتل کر چکے ہیں، زخمی اور گرفتار کر چکے ہیں، شاید جدید مہذب دنیا کو اسی طرح سے سکون اور اطمینان مل رہا ہے۔

مغربی کنارہ: صہیونیت ونصرانیت کی متوازی قتل گاہ

کس کا قبضہ قتل وغاری گری سے الگ رہا ہے؟

تاریخ اس بات پر متفق ہے کہ کسی کے گھر سے اسے نکال باہر کرنے والوں نے قتل و غارت کا بازار ضرور گرم کر رکھا ہے۔ کشمیر پر بھارت کا قبضہ ہو یا فلسطین پر بھارت نے لاکھوں فوجی بھیجے ہوں، یہی منظر رہا ہے کہ قابض افواج نے مقامی اور حقیقی مالک وہاں سے زبردستی بے دخل کیے ہیں۔ دنیا کی بڑی طاقتوں نے قابض کا ساتھ ہی نہیں دیا بلکہ اس کے ہاتھ میں جدید ترین بارود اور اسلحہ دیا ہے۔ اس بارود اور اسلحہ سے قبضے برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

غزہ پر لاکھوں ٹن بارود پھینکنے والے اسرائیل کی نظریں فلسطین کے مغربی کنارے پر ہیں۔ اس کے علاقے جنین میں اس کے مسلح حملے جاری ہیں۔ یہ مغربی کنارے کے شمال میں واقع شہر ہے۔ جب 1948ء میں لاتعداد فلسطینیوں کو ان کے آبائی شہروں اور دیہات سے زبردستی نکالا گیا اور پہلا نکبہ برپا ہوا تو اس شہر میں فلسطینی شہریوں نے پناہ لی۔ ان دنوں سے اس پر حملے جاری ہیں۔ اسے فلسطینیوں کا مرکز قرار دے کر اس پر مسلسل حملے کیے جا رہے ہیں۔ اسے شہداء کا مرکز بھی کہا جاتا ہے۔

جنین میں فلسطین کے بقا اور تسلسل کا معرکہ برپا رہا ہے۔ یہ معرکے ہر چند سال بعد برپا ہوتے رہے ہیں۔ 1948ء کے نکبہ کے بعد یہاں 1967ء میں عرب اسرائیل جنگ کا ایک اہم محاذ جنین تھا۔ اب یہ نیا غزہ ہے۔ اس میں نہتے فلسطینیوں پر عربوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ اور یورپ کی گود میں پلنے والے اسرائیل نے حملہ کیا تھا۔ پھر 1967ء، 1973ء، 2023ء اور 2024 میں بڑی جنگیں جنین یا اس کے اردگرد لڑی جاتی رہیں۔ مارچ 1948ء میں جرمنی، اٹلی، کروٹ، یوگوسلاویہ کے چیٹ نِک (Chetniks) و دیگر کے دہشت گرد حملوں نے مقامی آبادیوں پر حملے جاری رکھے۔

جنین گنجان آباد شہر ہے۔ اسرائیلی قابض افواج یہاں بار بار حملہ آور رہی ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنین کیمپ میں دوسرے مقبوضہ فلسطینی علاقوں کی طرح زندگی مشکل تر رہی ہے۔ صہیونیت کی یہ کوشش رہی ہے کہ اسے مشکل ترین بنائے رکھا جائے۔ اسی لیے یہاں متعدد بار بڑے حملے کیے گئے۔ آزاد مبصرین اور ذرائع ابلاغ نے ان حملوں کو وسیع پیمانے پر کی جانے والی دہشت گردی قرار دیا۔ اس دہشت گردی کا نشانہ فلسطینی بنتے رہے۔

حالیہ غزہ اسرائیل جنگ کے دوران میں مغربی کنارے کے متعدد اور مختلف حصوں پر اسرائیل نے حملے کیے ہیں۔

یہاں ایک طریقہ کار یہ رکھا گیا کہ کسی بھی جگہ پر کھلے عام کسی بھی فرد پر حملہ کر دیا جائے، اسے شدید تشدد کا نشانہ بنایا جائے، اسے شدید زخمی کر کے آگ لگا دی جائے۔ یہ تشدد کرتے ہوئے یہ خیال رکھا جائے کہ نشانہ بننے والے نوجوان، لڑکی یا عورت کے گھر کے سامنے یہ کارروائی کی جائے۔ آخر میں اسے گولی ماردی جائے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حسان رباعیہ کے ساتھ پیش آیا، اسرائیل کی قابض افواج نے اس پر حملہ کیا۔ یہ واقعہ مغربی کنارے کے جنین شہر کے گاؤں میں ہوا۔ حسان کی عمر چالیس سال تھی۔ اسے گرفتار کر کے شدید تعذیب کا نشانہ بنایا گیا، پھر اسے گولی ماردی گئی۔

فلسطینی ذرائع اور عینی شاہدین نے میڈیا کو بتایا کہ حسان کو کسی بھی نوعیت کی طبی امداد سے روک دیا گیا۔ اس کے مرنے کا انتظار کیا گیا جب اسے ہسپتال منتقل کرنے کے لیے ایمبولینس بھیجی گئی تو اسے حسان کے گھر جانے سے روک دیا گیا جہاں یہ واقعہ یا حادثہ رونما ہوا تھا۔ اسے ایک سٹریچر پر ڈال کر فوجی وہاں سے لے جاتے دیکھے گئے۔ حسان کے گھر حملہ بلا اشتعال صبح کے وقت کیا گیا۔ اسے گھر سے باہر بلا کر تشدد کیا گیا اور پھر اسے گولی ماردی گئی۔ اس گھر کے قریب دھماکہ خیز مواد کے پھٹنے کی آوازیں سنی گئیں۔ اس کے علاوہ قابض فوج نے بھاری مقدار میں گولیاں فائر کیں۔

اس واقعہ کے فوری بعد اس مقام پر بلڈوزر روانہ کر دیے گئے۔ جب یہ واقعہ رونما ہو رہا تھا، اسرائیلی قابض افواج نے مغربی کنارے کے دوسرے حصوں میں اسی طرح کے حملے جاری رکھے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طے شدہ حملے تھے۔ ان کا طریقہ کار یکساں تھا۔

القدس بریگیڈ کے رضا کاروں کا کہنا تھا کہ ان کا مقابلہ کئی مقامات پر اسرائیل کی قابض افواج سے ہوا۔ اسرائیلی افواج کے نابلس کے پرانے شہر، عسکر القدیم اور العین پناہ گزین کیمپ پر حملوں کی بھی اطلاعات آتی رہی ہیں۔ الاقصیٰ بریگیڈ نے ان مقامات پر ان قابض افواج سے تصادم کی خبروں کی تصدیق کی ہے۔ ان افواج کے ترجمان کی طرف سے فلسطینی گروہوں سے تصادم کی خبروں کی تصدیق کی گئی ہے۔

مغربی کنارے کے علاقے طولکرم میں قابض افواج کے آپریشن کے دوران میں تصادم کی خبریں آئی ہیں۔ اسرائیلی افواج نے مقامی دھنیہ کیمپ پر حملے کیے۔ یہ حملے جیریکو کے مضافات عقبة الجابر پر بھی کیے گئے۔ یہاں دو ایسے فلسطینی دوبارہ گرفتار کر لیے گئے جنہیں حال ہی میں رہا کیا گیا تھا۔

رام اللہ میں سلواد میں ایک نوجوان کو گرفتار کیا گیا۔ الخلیل میں بھی اسی نوعیت کے حملے کیے گئے۔ یہ حملے کرانتینہ میں کیے گئے۔ سائر میں فائرنگ جب کہ درا اور الشیوخ میں آنسو گیس پھینکی گئی۔ ان علاقوں میں حواس کو مختل کرنے والے بم پھینکے گئے۔ ان سے یک دم سناٹا سا محسوس ہوتا ہے۔ 7 اکتوبر 2023ء سے دسمبر 2024ء تک مغربی کنارے میں فوجی کارروائیوں اور گرفتاریوں کی رفتار میں بہت تیزی پیدا کی گئی ہے۔ اس عرصے میں مغربی کنارے میں 836 فلسطینی شہید، 6700 زخمی اور 11000 نظر بند کیے گئے ہیں۔

وارزون: ابوشمائل

طوفانِ بادوباراں، اُڑتے کیمپ، بکھرتے اہل خانہ
غزہ میں آندھی، بارش، بم باری، قاتل صہیونی فوجی

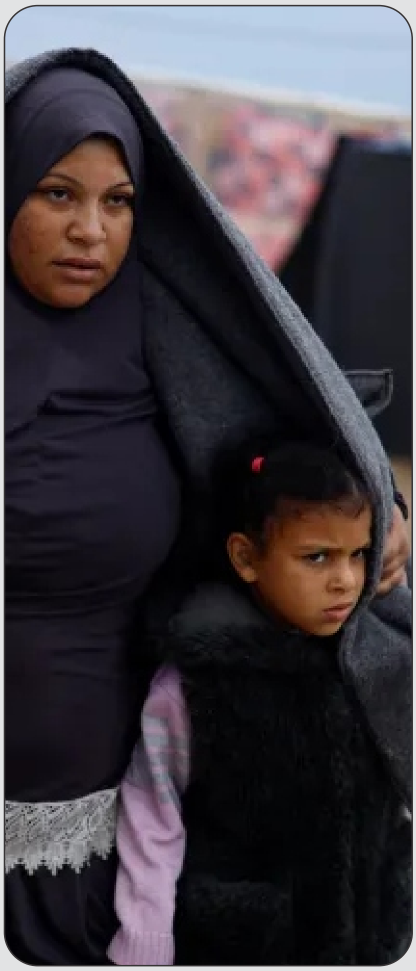

سال 2024ء کا آخری دن تھا۔ ایک قیامت برپا تھی، ہر سُو نکبہ تھا۔ وسطی غزہ کے علاقے دیر البلاح میں پناہ لینے والوں کے پھٹے پرانے اور ٹوٹے پھوٹے کیمپ تھے۔ آج تو آسمان بھی مہربان نہیں تھا۔ بادلوں کی گھن گرج میں بچے اپنی بچی کھچی ماؤں کی آغوش میں دبکے بیٹھے تھے۔ اچانک گرجنے والے برسنے لگے۔ طوفانی بارش اور ہوا کے جھونکے آندھی کے تھپیڑوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ بمباری، میزائیلوں کے حملوں کے ساتھ قاتل صہیونی فوجی دیر البلاح میں پوری شدت سے آئے تھے۔ طوفان، آندھی، بارش، اُڑتے بکھرتے کیمپ اوران میں بے پناہ پانی، ٹھنڈے چولہے، لبا لب بارشی پانی سے بھرے برتن، غرض یہ کہ اس دن یہاں کے پناہ گزین مکینوں کی مشکلات بڑھتی جارہی تھیں۔ ان پناہ گاہوں کو قابض صہیونیوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ دیر البلاح میں میڈیا نمائندوں کے اندازوں کے مطابق سو کے قریب ٹینٹ نما کیمپ تھے۔ موسمی سختی نے سب کے سب بکھر دیے تھے، تباہ کردیے تھے۔ انروا (UNRWA) کے لیے امدادی سرگرمیاں جاری رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔

لاسٹا دیر البلاح میں انروا کی امدادی ٹیم کا حصہ تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔۔۔ جب دھوپ چمک رہی تھی، اس کی تمازت کیمپ کو جہنم بنائے دے رہی تھی۔ لاسٹا شمالی غزہ سے یہاں آئی تھی۔ اسے چھ بار غزہ میں ہی ہجرت پر مجبور کردیا گیا تھا۔ اب وہ مشکلات سیکھ گئی تھی۔ وہ اس ناگہانی صورت حال کے تجربات سے اس قابل ہوگئی تھی کہ دوسروں کی مدد کس طرح کرنا ہے۔۔۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اب شدید سردی میں ہر کوئی ٹھٹھر رہا ہے۔ بچے ننگے سر، ننگے بدن اور ننگے پاؤں تھے۔ مٹی کو بارش نے کیچڑ بنادیا تھا۔ بچے اسی میں لت پت تھے۔ بارش کے طوفان سے بچنے کا ذریعہ کوئی نہیں تھا۔ ہم انروا کے ذرائع سے دنیا کو مسلسل آگاہ کررہے تھے: ''خدارا!'' ہمارے حال پر رحم کھائیں۔ اس یک طرفہ نسل کشی کو روکا جائے۔ ہر کسی کو یہ حق لوٹایا جائے کہ ٹوٹے پھوٹے ہی سہی، در و بام سے محروم ہی سہی، وہ اپنے گھر لوٹ جائے۔ وہ خود کو وہاں محفوظ تصور کرسکے۔ انروا کو سینکڑوں ہزاروں درخواستیں مل رہی تھیں کہ اس بم برساتی صورت حال کو تھمایا جائے۔ سڑکوں پر بھی بم برس رہے ہیں، مکانوں کے ملبے بھی فضا میں اڑتے پتنگوں کی مانند اڑتے پھر رہے ہیں۔ جو گولی، بم اور میزائیل سے بچ جاتا ہے، وہ ان اڑتے پتھروں کا

نشانہ بن جاتا ہے۔ ہر کوئی بربادی میں بھی پناہ ڈھونڈ رہا ہے۔ اپنے گھر کے ملبے کو دیکھتا ہے اور مستقبل کشید کرتا ہے کہ میرے کچن کی دیواریں دوبارہ بن جائے گی۔ میرا ڈرائنگ روم، میرے مہمانوں کے ٹھہرنے کی جگہ بھی بن جائے گا، لیکن برستے بم رک جائیں۔ قاتل صہیونی فوجیوں کی گنوں سے آگ اگلتی گولیاں تھم جائیں۔

فلسطینیوں کے شہری دفاع کے لوگ، ان کے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بچانے والے لوگ، سیوریج کی تباہی اور پانی کی ترسیل برقرار رکھنے کے طریقوں کو سدھارنے والے لوگ، سب ہی نئے سرے سے بنیاد رکھنے کے عزم سے مسلح تھے۔ اسرائیل ان میں کمان اینڈ کنٹرول ڈھونڈ رہا تھا۔ ایسے میں ایک ہی امتحان تھا:

''ہم کچھ بھی کرلیں گے، لیکن یہ سردی، یہ بارش بچوں کو بہا لے جائے گی۔''

یہ احمد ابو مصطفیٰ کی آواز تھی۔ اپنے گھر سے بہت دور تھا، وہ کہہ رہا تھا:

''ہم لوگوں کے ضمیر جھنجھوڑ رہے ہیں۔ جلدی کریں اور ان خاندانوں کو بچائیں جو موسم کی سختی کی نذر ہوتے جارہے ہیں۔ ان کو محفوظ پناہ گاہوں کی طرف منتقل کیا جائے۔ انہیں برساتی آندھیوں سے بچایا جائے۔ غزہ کے اجڑے کیمپوں میں زندگی بحال کی جاسکے۔''

مواصی کے علاقے میں بھی یہی کچھ تھا۔ خان یونس کی کہانی بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ رفاہ میں یہودی آبادکاروں کے جتھے حملہ آور تھے۔ ادھر مغرب میں دیر البلاح میں بھی شہری دفاع والے یہی داستان سنارہے تھے۔ حماس کا نظام کچھ ایسا مضبوط تھا کہ اس تباہی کے باوجود کام چل رہا تھا۔ لوگوں کو امداد کا سہارا تھا، امید ٹوٹی نہیں تھی۔ غزہ میں فلسطینی حکومت کام کررہی تھی۔ میڈیا کا رابطہ موجود تھا۔ اسے ختم کرنے کے لیے صہیونیت بے چین تھی۔ بار بار حملے کررہی تھی۔

یہ بات دنیا کے لیے حیران کن تھی کہ 20 لاکھ لوگ دربدر تھے۔ کبھی شمال اور کبھی جنوب، کبھی وسطی غزہ اور پھر رفاہ کی سمت انہیں برستی گولیاں دھکیل رہی تھیں۔ لیکن وہ غزہ چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ ان کی زندگیاں خطرے سے لڑ رہی تھیں لیکن وہ کچھ بھی ترک کرنے پر تیار نہیں تھے۔ کسی رضا کا نہ ہجرت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ بے پناہ سردی تھی، مسلسل بارش تھی لیکن عزم جوان تھے۔

اس بے پناہ خراب موسم میں ایک جگہ چھ نومولود زندگی پاتے ہی اسے ہار گئے تھے۔ ان کا معالج بھی ہار گیا تھا۔ منوں مٹی کے نیچے جا سویا تھا کہ تہہ خاک سہی، سکون تو ملے گا۔ بار بار دھکیل دیے جانے سے غذا بھی خواب بن گئی تھی۔ موت کو اس کیفیت نے بھی آسان کردیا تھا۔

جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی غزہ کی ناکہ بندی میں شدت پیدا کر دی گئی تھی۔ غذا، ادویات، پانی اور دوسری ضروریات زندگی ختم کردی گئی تھیں۔ انروا کے ڈائریکٹر جنرل فلپ لزارانی نے بار بار خبردار کردیا تھا کہ موسم جانیں لے رہا ہے۔ بارود سے بچ رہنے والے اس طرح سے زندگی سے ہارنے والی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اسرائیل کے جرنیلوں کا منصوبہ یہی تھا کہ غزہ میں پانی، بجلی، ایندھن ختم کردیا جائے۔ غذا، ادویات ختم کردی جائیں۔ انروا کے کارکن کی جنگ بارود اور بم کی جنگ نہیں تھی، یہ جنگ گرم کمبلوں، میٹرس، ٹینٹ اور گرم کپڑوں کی فراہمی کی

جنگ تھی۔ فلپ لزارانی کی تشویش یہی تھی کہ ان اشیائے ضروریہ کو ہر صورت مہیا کرنا ہی اصل جنگ ہے۔

فلپ نے ایک بیان میں بتایا کہ اس کے کیمپوں میں موسمی شدت نے 745 فلسطینیوں کی جانیں لے لی ہیں جب کہ جنگ سے زخمی ہونے والوں کی تعداد 22 ہزار سے تجاوز کرچکی ہے۔ فلپ مسلسل اپیل کررہے تھے کہ امداد کی ترسیل نہ روکی جائے۔ انسانی بنیادوں پر اسے بحال کیا جائے۔ ہر فلسطینی کو مارنے کا ہدف ختم کیا جائے۔ غزہ کی ناکہ بندی ختم کی جائے۔ رفاہ کے علاقے میں جاری لوٹ مار روکی جائے، یہودی آبادکاروں کو وہاں سے نکالا جائے۔

احمد ابو مصطفیٰ بے گھر تھے۔ وہ بتارہے تھے کہ نائیلون سے بنے ٹینٹ سخت دھوپ نے تباہ کردیے ہیں۔ گرمی ایسے ہی گزرگئی ہے اور اب سردی کی بارش نے ان کو بالکل ناکارہ کردیا ہے۔ ابو مصطفیٰ نے بتایا کہ جب ہمیں اپنے ہی گھروں سے نکالا گیا، ہمیں کوئی چیز بھی ساتھ لانے سے سختی سے روک دیا گیا۔ اگر کوئی کچھ بھی لے آیا تو چند روز میں وہ ختم ہوگئی۔ ہمارے پاس کوئی لباس نہیں تھا۔ بچوں کے کپڑے تک چھین لیے گئے۔ ہم بڑوں کے لیے تو شاید یہ آسان تھا کہ ہم سردی کا مقابلہ کرسکتے تھے اور ہم نے یہ مقابلہ کیا، لیکن بچے تو ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے۔

ابو مصطفیٰ نے صحافیوں کو بتایا کہ ہمارے پاس سوائے رب کے کچھ نہ رہا تھا۔ ہم پلاسٹک کے تھیلوں سے بنے ٹینٹوں میں رہ رہے تھے۔ ان پر بھی میزائیل برسائے گئے۔ محمد ابو مسعود بھی سال بھر سے ایسے ہی عارضی کیمپوں میں رہ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بارش ہر سمت سے ان کیمپوں میں داخل ہوجاتی ہے۔ وہ کیا مانگ رہے ہیں؟ وہ مکان نہیں مانگ رہے، وہ پائیدار خیمے مانگ رہے ہیں، مضبوط ٹینٹ کا تقاضا کررہے ہیں۔

ابو مسعود کا کہنا ہے کہ امداد نہ روکی جائے۔ اسے آنے دیا جائے۔ جنگ روکی جائے۔ سردی اور بارش نے زندگی محال کردی ہے۔ بنیادی اشیائے ضروریہ کی قلت ہے۔ ہر شے ناپید ہے۔

اسرائیل نے بھوک کو بھی ہتھیار بنا دیا ہے۔ بڑوں کی خوراک تو الگ رہی، بچوں کا دودھ بھی دور کا ڈھول ہے جو سہانا تو ہوسکتا ہے، دستیاب ہرگز نہیں ہے۔ بین الاقوامی اداروں کے جائزے بتارہے ہیں کہ 22 لاکھ افراد ایک ایسے غار میں رہ رہے ہیں جس کے کنارے بھی غذا سے محروم کردیے گئے ہیں۔ 11 لاکھ کے قریب لوگ تباہ کن بھوک کی غذا بن رہے ہیں۔ رینن عسام ابو آسی بے گھر بچی ہے۔ وہ بھی اسی کرب ناک بھوک سے بلک رہی ہے۔ دنیا اس کے ویڈیو کلپ دیکھ رہی ہے لیکن کچھ بھی کرنے سے عاجز ہے۔ بچے سردی سے جمتے جارہے ہیں۔ بھوک نے ان کے بدن مزید سکیڑ دیے ہیں۔ ابو آسی کے اہل خانہ ہیضہ کی لپیٹ میں ہیں۔ قے نے ان کا برا حال کررکھا ہے۔

اس جرم کی تفصیل بہت دردانگیز ہے۔ اس کیفیت کی فرد جرم امریکہ و یورپ کے نام لکھی ہے اور اس ضمن میں اسلامی دنیا بھی کچھ کم ذمہ دار نہیں ہے۔ یہ عذر تو محض عذر لنگ ہی رہے گا کہ ان کی امداد کے لیے راستے نہیں تھے۔ اگر عزم ہوتا تو راستے بھی بن سکتے تھے اور ظلم کو روکا بھی جاسکتا تھا۔

اسرائیلی جارحیت اور غزہ میں نسل کشی کے 470 دن بعد کی صورتحال کے حوالے سے سول ڈیفنس سروس کی پریس ریلیز

اللہ کا شکر ہے جس نے غزہ میں ہمارے لوگوں کے خلاف قابض اسرائیلی جارحیت کے 470 دن کے بعد ہمارے لوگوں کو تحفظ فراہم کیا، اور صد درود و سلام آقائے شہداء محمد بن عبداللہ پر، جنہیں اللہ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

سب سے پہلے، ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے محترم شہداء کی روحوں پر رحم کرے جو اسرائیل کی نسل کشی کے دوران مارے گئے، اور ہمارے ساتھی شہداء، اور رحمت کی دعائیں ان کے لیے جو خدمت خلق میں ہمارے ساتھی تھے۔ رب کریم زخمیوں اور بیماروں کو جلد صحت سے نوازے۔

1۔ جانی اور مالی نقصانات:

اس جنگ کے دوران، اسرائیلی بمباری کے باعث محکمہ شہری دفاع کو کافی مالی اور جانی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ (99) کارکن شہید اور (319) زخمی ہوئے، جن میں درجنوں مستقل معذوری کا شکار ہو گئے۔ سول ڈیفنس سروس کے اراکین میں سے اسرائیلی قابض فوج کے زیر حراست افراد کی تعداد (27) تک پہنچ گئی ہے، جن میں شمالی غزہ سول ڈیفنس کے ڈائریکٹر اور زون کے تین مراکز کے ڈائریکٹر شامل ہیں، قابض فوج کی جانب سے ان کی نامعلوم مقامات پر منتقلی کے بعد ہم ان کے حالات سے بے خبر ہیں۔

ان اعداد و شمار کے ساتھ سول ڈیفنس کے اہلکار مجموعی طور پر 48 فیصد نقصان سے دوچار ہوئے ہیں جن میں شہید، زخمی اور قیدی شامل ہیں۔ اسرائیلی قابض فوج نے جان بوجھ کر جن ہیڈکوارٹرز اور مراکز کو نشانہ بنایا ان کی تعداد (21) میں سے (17) مراکز ہیں، جن میں سے (14) مکمل طور پر تباہ اور (3) مراکز کو جزوی طور پر نقصان پہنچا ہے۔

۔ جہاں تک سول ڈیفنس کی گاڑیوں کا تعلق ہے جو قابض فوج کے ہاتھوں مکمل یا جزوی طور پر تباہ ہو چکی ہیں، وہ گاڑیوں کا 85 فیصد بنتی ہیں، کیونکہ ہماری کل گاڑیوں (72) میں سے (61) گاڑیوں کو نشانہ بنایا گیا۔

۔ان گاڑیوں میں فائر فائٹنگ اور ریسکیو گاڑیاں، تیزی سے مداخلت کرنے والی گاڑیاں، اور ایمبولینس شامل ہیں۔

2۔ 7 اکتوبر 2023 سے لے کر آج تک آپریشنز کی تفصیل:

۔نسل کشی کے آغاز سے لے کر اب تک، ہمیں خطرے کے پانچ لاکھ سگنل موصول ہوئے، جن میں تقریباً پانچ ہزار سگنلز تک ہمارا عملہ پہنچنے سے قاصر رہا، جس کی وجوہات ایندھن کی کمی، یا اہلکاروں سے رابطے میں ناکامی یا شدید فائرنگ اور بمباری کے باعث متاثرہ علاقوں میں داخل ہونے میں ناکامی ہیں۔

غزہ کے تمام زونز میں ہمارے عملے نے اسرائیلی قابض فوج کی طرف سے نشانہ بنائے گئے مقامات، گھروں اور عمارتوں سے (38,300) سے زیادہ شہداء کو نکالا۔ ہمارے عملے نے نشانہ بنائے گئے علاقوں سے تقریباً (97) ہزار زخمیوں کو نکالا، اور (11,206) کیسز کو ہسپتالوں میں منتقل کیا گیا۔

ہمارا عملہ رہائشی علاقوں، تجارتی اور اقتصادی عمارتوں، زرعی زمینوں اور دیگر کو نشانہ بنانے کے نتیجے میں لگنے والی آگ کو (22,403) مقامات میں قابو پانے میں کامیاب رہا۔ ہمارا عملہ (42) ہزار لوگوں کو ان علاقوں اور گھروں سے نکالنے میں کامیاب رہا جہاں ان کی زندگیوں کو خطرہ تھا۔

ایسے شہداء کی جن کے جسم ہوا میں تحلیل ہو گئے اور ہمیں ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا، ان کا تخمینہ (2840) شہداء ہے، اس کی وجہ قابض فوج کی جانب سے ایسے ہتھیاروں کا استعمال ہے جو 7000-9000 ڈگری سینٹی گریڈ کے درمیان درجہ حرارت پیدا کرتے ہیں، اور دھماکے کے مقام میں موجود ہر چیز کو پگھلا دیتے ہیں۔

۔ہمیں مشکل اور کٹھن کاموں کا سامنا ہے، جو کہ (10) ہزار سے زائد شہداء کی لاشوں کی تلاش ہے، جو ابھی تک تباہ شدہ گھروں، اور عمارتوں کے ملبے تلے دبے ہوئے ہیں اور شہداء کے اعداد و شمار میں درج نہیں ہیں۔

قابض فوج نے ہمارے عملے کو رفح کراسنگ کے علاقے اور رفح زون میں تل السلطان کے علاقے، بیت لاہیا کے علاقے، شمال غزہ زون میں بیت حنون اور جبالیہ کیمپ، شمالی نصیرات کے علاقے اور وسطی زون کے مشرقی علاقوں میں کام کرنے سے روکا۔ اس کے علاوہ جنوبی زیتون اور تل الہوا کے علاقے جہاں سے اب تک سینکڑوں شہداء کی نعشوں تک ہم نہیں پہنچ پائے۔

آج، غزہ پر اسرائیل کی نسل کشی کی جنگ کے 470 دنوں کے بعد، غزہ میں سول ڈیفنس اتھارٹی کو بحالی، تعمیر، اور آنے والے عرصے کے دوران کام کرنے کے لیے عملہ، سہولیات اور آلات کی ضرورت ہے، تاکہ 15 ماہ سے زائد عرصے سے جاری تباہی کی جنگ سے ہونے والی بڑی تباہی سے نمٹ سکے۔

ہم برادر ممالک سے سول ڈیفنس کا عملہ اور آلات غزہ بھیجنے کا مطالبہ کرتے ہیں تاکہ جنگ کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والی تباہی سے نمٹنے کے لیے اپنے فرض کی انجام دہی میں ہماری مدد کی جا سکے، جو کہ سول ڈیفنس کی موجودہ استطاعت سے اوپر ہے۔

آج، ہر ایک کو غزہ میں سول ڈیفنس اتھارٹی کی تمام ضروری وسائل اور سہولیات کے ساتھ مدد کرنے کی ضرورت ہے، جس میں ریسکیو، فائر فائٹنگ، ایمبولینس گاڑیاں اور آلات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بھاری مشینری اور آلات جو کہ شہداء کی لاشیں نکالنے میں ہماری مدد کر سکیں، جو ہزاروں تباہ شدہ عمارتوں اور گھروں کے ملبے تلے دبے ہوئے ہیں۔

رائے سرائے: الیاس بیگ

امریکہ میں صہیونیت کا مورچہ: آئی پیک

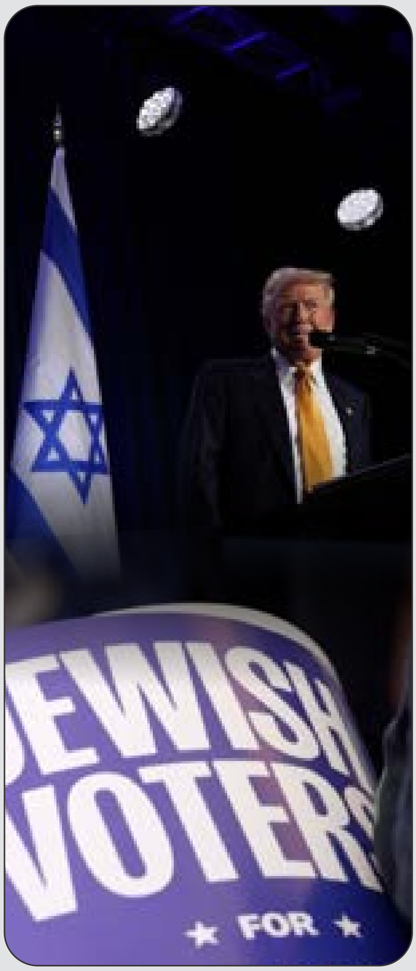

اسرائیل کی فوج قاتلوں اور لوٹ مار کرنے والوں کا وہ منظم گروہ ہے جو صہیونی سیاستدانوں اور جرنیلوں کے گٹھ جوڑ کے لیے کام کرتی ہے۔ دنیا بھر کی مخالفت اور نفرت کو بے اثر کرنے کے لیے امریکہ استعمال ہوتا ہے۔ ایک طرف اسرائیل پڑوسی ممالک پر حملے کرتا ہے تاکہ اپنا غیر قانونی وجود برقرار رکھ سکے، اپنے قبضے کو دوام دے سکے۔ دوسری طرف امریکہ کی بزنس ایمپائر کا سامان کرتا ہے۔ تاکہ اس کی اسلحہ ساز کمپنیوں کا پہیہ چلتا رہے۔

ان دنوں انتونی بلنکن مشرق وسطیٰ کے دورے پر ہیں۔ شام میں بشارالاسد حکومت کے خاتمے کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادی کہنے لگے ہیں کہ داعش زندہ ہوگئی ہے۔ اب سارا عرب خطرے میں ہے۔ یہ خود ساختہ خطرہ نہ جانے مزید کتنے اسلامیان عرب کی جان لے گا۔

اسرائیل نے 1953ء میں فلسطینی علاقے مغربی کنارے پر حملہ کیا تھا۔ یاد رہے کہ مغربی کنارہ اس وقت مقبوضہ عرب علاقہ بھی نہیں تھا۔ مقبوضہ تو 1967ء میں بنا تھا جب اسرائیل نے عربوں پر حملہ کر کے علاقوں پر قبضہ کیا تھا۔ یہ فلسطین پر حملہ تھا۔ اس میں درجنوں بیسیوں فلسطینی شہید کر دیے گئے تھے۔ تب بھی زیادہ تر بچے اور خواتین اس قتل عام کی زد میں آئے تھے۔

اس وقت امریکہ میں اسرائیل کے لیے لابنگ کرنے والے ایک صہیونی نے امریکن صہیونی کمیٹی برائے پبلک افیئرز قائم کی تھی۔ یہ 1953ء کا سال تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اسرائیلی فوج کو اس کی حرکات اور جارحیت کے نتیجے میں آنے والے سیاسی چیلنج سے نکالا جائے چھ سال بعد اس کمیٹی کو امریکہ اسرائیل پبلک افیئرز کمیٹی یا عرف عام میں آئی پیک میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اب یہ آئی پیک اس قدر طاقت حاصل کر چکی ہے کہ امریکی انتظامیہ ہو، کانگریس ہو یا سینیٹ ہو، کسی کے لیے اس کی مخالفت مول لینا تب ہی ممکن ہے جب وہ اپنی سیاست ختم کر لے بلکہ اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کر چکا ہو۔

آئی پیک نے 1973ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد زور پکڑا۔ اب یہ واشنگٹن کا سب سے مضبوط لابی گروہ ہے۔ برسوں سے امریکی انتظامیہ میں آنے کے لیے لازمی ہے کہ آئی پیک اس امریکی سیاست دان کی پشت ٹھونک رہی ہو۔ کسی امریکی امیدوار برائے صدارت کے لیے تقریباً ناممکن ہے کہ وہ اپنی انتخابی مہم آئی پیک کی نفی کر کے کامیابی سے چلا سکے۔ آئی پیک کا دعویٰ ہے کہ وہ

امریکی کانگریس میں اسرائیل کے جملہ مفادات کا غیر جانب دارانہ دفاع کرتی ہے۔ وہاں موجود اسرائیل پر تنقید کرنے والوں کو بے اثر بنانے کا کام کرتی ہے۔

جب بھی آئی پیک کی سالانہ کانفرنس ہوتی ہے تو اس میں بالکل اسی طرح سے امریکی کانگریس کے ارکان حاضری لگواتے اور باقاعدہ شریک ہوتے ہیں جس طرح سکول و کالج میں طلبہ وطالبات کی حاضری لگتی ہے۔ اس حاضری سے سمجھا جاتا ہے کہ کون سا رکن اسرائیل کا حامی ہے اور کون سا نہیں ہے۔ جہاں تک ارکان سینیٹ کی وابستگی کا معاملہ ہے، ہر سال مختلف خطوط پر ان سے دستخط لیے جاتے ہیں۔ اس کا معانی ہوتا ہے کہ دستخط کرنے والے کو اسرائیلی پالیسیوں اور اقدامات سے کامل اتفاق ہے۔

گزشتہ 15 برسوں سے ایک تبدیلی خاموشی سے امریکی سیاست میں داخل ہو رہی ہے۔ بنجمن نیتن یاہو کی وجہ سے امریکہ کے ایوانوں میں آہستگی سے سہی، لیکن مسلسل حمایت میں کمی نوٹ کی جا رہی ہے۔ اس کا آغاز باراک اوباما کے عہد صدارت سے ہوا۔ باراک اوباما مقبوضہ عرب علاقوں میں یہودی بستیوں کی تعمیر کے مخالف تھے جب کہ اسرائیل مسلسل یہ بستیاں تعمیر کر رہا تھا۔ تب اسرائیلی لبرل اخبار ہارتز لکھا کرتا تھا کہ آئی پیک اسرائیل حامی اور نیتن یاہو مخالف ادارہ ہے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ان ادوار اور مہ وسال میں تنظیم نیتن یاہو کو سیاسی جماعت کا باقاعدہ سرگرم ونگ نظر آنے لگی تھی۔ اس طرح آئی پیک سے یہ تاثر ملنے لگا تھا کہ نیتن یاہو کی حامی آئی پیک اب اسرائیل مخالف فرم بنتی جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس دوران میں کس طرح کی جوہری تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔ آئی پیک ہمیشہ ایسے امیدواروں کی کانگریس اور سینٹ کے لیے حمایت کرتی تھی جو اسرائیل نواز پالیسیوں کے حق میں ہوتے تھے۔ دسمبر 2021ء میں اس گروپ نے اپنی 70 سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ انفرادی سیاسی مہمات کی براہ راست مالی سپورٹ کا فیصلہ کیا اور ایک سپر سیاسی ایکشن کمیٹی قائم کر دی۔ اسے یونائیٹڈ ڈیموکریسی فرنٹ کا نام دیا گیا۔ اس فرنٹ کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ آئی پیک سے بھی بالا ایسے امیدواروں حق یا مخالفت میں فنڈز کا فیصلہ کر سکتا ہے جنہیں وہ مناسب خیال کرتا ہے۔

اس فرنٹ کے قیام سے ایک نمایاں فرق پیدا ہوتا گیا۔ اس سے پہلے اسرائیل کی لابنگ مسلسل، غیر مشروط اور غیر مشتبہ تھی۔ بعد میں ہونے والے سروے یوں ظاہر کر رہے تھے کہ ڈیموکریٹ ارکان اور امیدواران میں خیال ابھرنے لگا کہ اسرائیل میں فلسطینیوں کے ساتھ جس طرح کا سلوک روا رکھا جا رہا ہے، وہ نامناسب ہے۔ اب موجودہ صورت حال کو دیکھیں تو کانگریس اور سینیٹ میں ڈیموکریٹس کی شکست کی ایک بڑی اور اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں جو بائیڈن کی فلسطین مخالف حکمت عملی نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ جو بائیڈن کی اسرائیل حکمت عملی کی مخالف امریکہ کے غیر یہودی ووٹرز نے ہی نہیں کی بل کہ امریکہ کے یہودیوں کو بھی فلسطینیوں سے کیے جانے والے سلوک پر گہرے تحفظات رہے ہیں۔ ان وجوہات نے ڈیموکریٹ پالیسی کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔

چناں چہ یہ حقیقت اب کھل کر عیاں ہوئی ہے کہ فرنٹ ان ڈیموکریٹس کو روکنے کے لیے متحرک رہا ہے جو اسرائیل یا اسرائیلی مفادات کے خلاف بات کرتے رہے ہیں۔ وہ انتخابات سے قبل ہی ہارتے گئے جب وہ پارٹی نامزدگی حاصل کرنے کے لیے پرائمری کونشنز میں ووٹنگ کے لیے آئے۔ اس طرح بہت سے مضبوط امیدوار پارٹی نامزدگی بھی حاصل نہ کر سکے اور کمزور امیدوار نامزد ہو گئے لیکن الیکشن ہارتے گئے۔ آئی پیک براہ راست ان ہارنے والوں کی حمایت کر رہی ہوتی تو وہ شاید نامزد ہو کر جیت جاتے۔ غزہ میں سیز فائر کی حمایت کرنے والے ہارتے گئے۔

آئی پیک جو کام کر رہی ہے، بہت سے دوسرے گروپ بھی کرتے ہیں۔ ان میں ایک بڑا نام آئی پیک کے بعد ڈیموکریٹک میجورٹی فار اسرائیل (Democratic Majority for Israel) کا ہے۔ اسے ڈی ایم ایف آئی بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بنانے والے ایک سیاسی کنسلٹنٹ مارک میل مین تھے۔ اس کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں آر جی گاٹس مین شامل تھے۔ وہ ایک اور یہودی گروپ جیو بلانگ (Jew Blong) کو فنڈز دیتے تھے۔ یہ گروپ امریکہ میں پنک ربن مہم چلاتا ہے جس کا ہدف اسرائیل کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنا ہے۔ یہ بہت کھل کر اسرائیل کا حامی گروپ ہے اور جگہ جگہ نعرہ لگاتا ہے:

"Trust Me Israel Wanted to Commit Genocide in Gaza, It Could"

”گویا ابھی نسل کشی نہیں کی گئی، اسرائیل ایسا کر سکتا ہے۔“

ڈیموکریٹ فرنٹ سمرلی کے خلاف ان انتخابات میں کھل کر نہیں اترا۔ وہ 2022ء کے مڈٹرم انتخابات میں اترا تھا، مخالف امیدوار کو فنڈز دیے تھے۔ یہ فنڈز 30 لاکھ ڈالر کے تھے۔ ری پبلکن کے بہت بڑے ڈونر جیفری یابس نے سمرلی کے مخالف کو فنڈنگ کی تھی۔ بھوینی پٹیل پرائمری نامزدگی جیت گئی تھی۔ بھوینی پٹیل کے بینرز پر لکھا تھا کہ یہ ڈونلڈ ٹرمپ کی حامی ہے حالاں کہ وہ خود ٹرمپ کی حامی تھی اور اسی کی طرف سے الیکشن لڑ رہی تھی۔ جیفری یاس بھی ٹرمپ کی حمایت میں تھے۔

اسی طرح سے اسرائیل کا حامی گروہ 2007ء سے میدان میں ہے۔ اس گروپ کو جے سٹریٹ کہا جاتا ہے۔ یہ گروپ آئی پیک کے مقابلے پر ہے۔ یہ گروپ ایسے امیدواروں کی جیت کے لیے کام کرتا ہے جو دو ریاستی فارمولے کے تحت فلسطینی ریاست کے اصول کے لیے کام کرتا ہے اور اسی اصول کے لیے انتخاب لڑنے والوں کی سپورٹ کرتا ہے۔ تاہم اسے اس سال 40 لاکھ ڈالر کے فنڈز ہی مل سکے۔

آئی پیک کانگریس کے لیے انتخابات کے لیے فنڈنگ کا پہلے ہدف طے کرتا ہے۔ 2024ء کے لیے 10 کروڑ ڈالرز کا ہدف رکھا گیا۔ یہ رقم ان امیدواروں کے مخالفین پر لگائی گئی جو پرائمری سے لے کر کانگریس اور سینیٹ کے انتخابات میں حصے لے رہے تھے اور اسرائیل پر تنقید کر رہے تھے۔ ڈیموکریٹ فنڈ نے 40 کروڑ 90 لاکھ ڈالرز الگ سے جمع کیے۔ اس کا انکشاف فیڈرل الیکشن کمیشن کی رپورٹوں میں کیا گیا ہے۔

ابھی اس رقم کی بڑی مقدار محفوظ رکھی گئی ہے۔ اس سے پہلے ہی سیاسی اشتہارات پر لاکھوں ڈالرز صرف کر دیے گئے۔ ان میں اسرائیل کے مخالفین کو ہدف بنایا گیا۔ ان میں دوسرے مسائل پر توجہ ضرور دی گئی لیکن یہ واضح کر دیا گیا کہ فنڈز اسرائیل کی سپورٹ کرنے والوں نے خرچ کیے ہیں۔ ناقدین نے یہ کہا کہ آئی پیک ان مخالفین کو خوفزدہ کر رہی ہے جو اسرائیل پر تنقید کر رہے ہیں۔ گویا اسرائیل پر تنقید کرنا بھی امریکہ میں سنگین نوعیت کا جرم ہے۔ اس جرم کی سزا یہ ہوتی ہے کہ جو امیدوار اسرائیل کی حمایت کر رہے ہیں، ان کی انتخابی مہم کامیاب بنائی جائے۔ اس طرح جو براہ راست اسرائیل کا حامی نہیں ہوتا، وہ بھی حامی اور سپورٹر بن جاتا ہے۔

موجودہ انتخابی معرکوں میں اسرائیل کی حمایت کرنے والوں کو ری پبلکن امیدواروں کی طرف سے بہت زیادہ فنڈز دیے گئے۔ ان فنڈز کی مدد سے ڈیموکریٹ پرائمری انتخابات میں ہی مضبوط امیدواروں کو ہرا دیا گیا۔اس طرح ری پبلکن کے مقابلے میں کمزور امیدوار انتخابات میں اترے۔ ان انتخابات میں سب سے بڑا ڈونر یوکرائنی امریکن جان کوم تھا۔ جان کوم واٹس ایپ کا شریک بانی اور کھرب پتی ہے۔ اس نے 50 لاکھ ڈالرز کے فنڈز ری پبلکن امیدواروں کو دیے۔ اس نے ری پبلکن کے صدارتی امیدوار کو بھی بے شمار فنڈز دیے۔ ایک اور اہم ڈونر جوناتھن جیکب سن تھا جس نے ڈیموکریٹ فنڈ کو 25 لاکھ ڈالر دیے۔ اس سے قبل وہ ری پبلکن نیشنل کمیٹی کو ہر سال لاکھوں ڈالر فنڈ دیتا رہا۔ اسی طرح سے اسرائیل میں پیدا ہونے والے تاجر ڈیوڈ ذیلک نے فرنٹ کو 20 لاکھ ڈالر دیے۔ اس نے جارجیا میں ری پبلکنز کو لاکھوں ڈالر اس کے علاوہ دیے۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ کے بانی برنی مارکس نے فرنٹ کو دس لاکھ ڈالر دیے۔ برنی مارکس نے 2016ء میں ٹرمپ کی مہم کے لیے سب سے زیادہ فنڈز دیے تھے۔ ایک اور فنڈ مینیجر پال سنگر نے مختلف سیاسی مقاصد کے لیے ری پبلکن سیاستدانوں کو لاکھوں ڈالر دیے۔

ڈیموکریٹ فرنٹ کو ملنے والے فنڈز آئی پیک کو ملنے والے فنڈز سے بالکل الگ ہیں۔ 7 اکتوبر 2023ء کے بعد سے فنڈنگ کی نوعیت مزید مختلف رہی۔ یہ فنڈز غزہ میں زیادہ تعداد میں فلسطینی ہلاکتوں کا سبب بنتے رہے۔

ان میں سرفہرست ڈونرز میں پہلا نام فلم پروڈیوسر میل سائمن کی ارب پتی بیٹی ڈیبورا سائمن کا ہے۔ اس نے 10 لاکھ ڈالر فرنٹ کو دیے۔ اس نے یہودی تنظیموں کو بھاری مقدار میں فنڈ دیے۔ ان میں بدنام زمانہ اینٹی ڈی فیمیشن لیگ بھی شامل ہے۔

ایک اور ڈونر سام بنک مین فرائیڈ ہے۔ یہ شخص فراڈ کے الزامات میں 25 سال جیل کاٹ رہا ہے۔ اسے کرپٹو کرنسی کا بے تاج حکمران بھی کہا جاتا ہے۔ ارب پتی ہے۔ اس نے 2022ء کے مڈٹرم انتخابات میں ڈی ایم ایف آئی کو 2 لاکھ 50 ہزار ڈالر کے فنڈز دیے۔ کہا جاتا ہے کہ اس لابنگ فرم کو ملنے والے فنڈز دراصل آئی پیک کو ہی ملتے ہیں۔ اسی طرح کے فنڈ گیری لاؤڈر نے 10 لاکھ ڈالر کی مالیت میں ڈی ایم ایف آئی کو دیے۔

غزہ کی جنگ کس طرح لڑی گئی۔؟

یہ بہت حیران کن سوال ہے۔ امریکہ میں یہ جنگ ڈیموکریٹ پارٹی کے خلاف لڑی گئی۔ واشنگٹن سے یہ جنگ حماس کے خلاف ڈیموکریٹ صدر جو بائیڈن نے لڑی۔ امریکہ میں رائے عامہ اور سروے پول کے محاذ پر یہ جنگ امریکی حکومت کے خلاف لڑی گئی۔ امریکی حکومت نے یہ جنگ عرب اتحادیوں کے ساتھ مل کر فلسطین کے خلاف لڑی۔ ایک اور حیران کن محاذ یہ تھا کہ لابنگ کے محاذ پر حماس نے یہ جنگ آئی پیک کے خلاف لڑی۔ آئی پیک اسرائیل کے خلاف ایک بوجھ بن گئی۔ ڈیموکریٹ ہار گئے، ری پبلکن جیت گئے، واشنگٹن فلسطینیوں کو ہزاروں کی تعداد میں مار کر بھی ہار گیا کیونکہ

حماس کو شکست نہ دی جاسکی۔ امریکہ سے باہر اس کے اتحادیوں کے دارالخلافوں میں یہ جنگ وہاں کے عوام اور حکومتوں کے درمیان لڑی گئی۔ وہاں ہونے والے انتخابات میں حکومتی پارٹیاں ہار رہی ہیں اور حماس کی حمایت میں نکلنے والے عوام جیت رہے ہیں۔

آئی پیک نے 2022ء کے مڈٹرم انتخابات میں دو درجن سے زیادہ ری پبلکن امیدواروں کے لیے لابنگ کی اور انہی امیدواروں نے جو بائیڈن کی صدارتی دوڑ کا خاتمہ کرنے اور کملا ہارس کو امیدوار بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ آئی پیک نے پہلی مرتبہ یہ پالیسی اختیار کی کہ اسرائیل کی بے پناہ حمایت سے دوسرے امور چھوڑنے پڑتے ہیں۔ اس لیے وہ اس حمایت سے کنارہ کش ہوتی نظر آئی۔ اس حوالے سے آئی پیک پالیسی یوں تبدیل ہوتی گئی:

No moment for Pro-Israel Movement to become Selective about its Friends.

آئی پیک اپنے 70 سالہ دور میں پہلی بار داخلی شکست سے دوچار ہوگئی۔

غزہ کی جنگ کس طرح سب کو ہلا گئی؟

غزہ کی جنگ نے وہاں کے 23 لاکھ فلسطینیوں کو بے گھر کر دیا۔ ہزاروں شہادت سے ہم کنارے ہوئے، لاکھ سے زیادہ زخمی ہوئے۔ مشرق وسطیٰ میں ہل چل مچ گئی۔ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے قریب جو تھے، دور ہو گئے۔ اسرائیل کا خبث باطن ظاہر ہوا۔ اس نے سمجھا کہ لبنان کے جنوبی حصوں میں بفر زون قائم کرنے کے نام پر قبضہ ہو جائے گا۔ شام میں الاسد خاندان کا 53 سالہ سورج غروب ہو گیا۔

اب امریکہ پھر میدان میں ہے۔ داعش نئی جنگ کا عنوان بنایا جا رہا ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ یہ امریکہ کا بغل بچہ ہے۔ اس کی کوکھ سے اسلام نمودار نہیں ہوسکتا۔ یہ مسلم ممالک کو ہلانے جلانے کا سلسلہ وٹہ ہے اور کچھ نہیں۔ انٹونی بلنکن عرب ممالک کے دورے پر ہے۔ سو کی تعداد میں بنجمن نیتن یاہو جمع ہوں تو ایک بلنکن بنتا ہے۔ اور سو ہی کی تعداد میں بلنکن ہوں تو ایک جو بائیڈن بنتا ہے۔ یاد رکھیے گا کہ سو جو بائیڈن ہوں تو ایک ڈونالڈ ٹرمپ بنے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی سب سیاست دان ہیں، ٹرمپ فری سٹائل ریسلرز کا پروموٹر ہے۔

اب تک غزہ پر سینکڑوں ہزاروں وی بلاگ، بے شمار بلاگ، ان گنت پوڈ کاسٹ، اتنے ہی فوٹو مضامین اور گنتی جہاں ختم ہوتی ہے، اتنی خبریں اور رپورٹیں ہو چکی ہیں، پھر بھی خبث باطن باقی ہے۔ اب بھی غیر جانب داری کے نوان سے جانب داری کی جا رہی ہے۔ برطانوی جریدہ گارڈین لکھتا ہے کہ ہم غیر جانب دار ہیں۔ یہ سب حساب برابر کرنے کی باتیں ہیں۔ کوئی جانب دار ہے اور نہ ہی غیر جانب دار۔ یہ سب کے سب اسرائیل کے طرف دار ہیں۔ یہود و ہنود کے حاشیہ بردار ہیں۔

آئی پیک کیوں پریشان ہے؟

امریکی انتخابات سے پہلے وہاں سیاسی طور پر بہت ارتعاش تھا۔ رائے عامہ اسرائیل کے حق میں نہیں تھی۔ ڈیموکریٹ پارٹی آئی پیک کی طرح پریشان تھی۔ اسرائیلی، اپنی حکومت سمیت پریشان تھے کہ غزہ جنگ کو

لبنان سے کہاں لے جائیں، جہاں آنے والی امریکی حکومت کو جو بائیڈن سے زیادہ معروف کیا جائے۔ اسے پہلی کامیابی تب ملی جب شام میں روس نواز بشار الاسد حکومت گئی۔ خطے میں روس کے رہے سہے اثرات بھی ختم ہوتے گئے۔ روس کی شکست کے آثار تب نمایاں ہوئے جب بشار الاسد دمشق سے غائب ہوئے اور ماسکو میں نمودار ہوئے۔

انتخابات کے دوران میں آئی پیک نے ڈیموکریٹک بزنس وومن کوری بش کی پرائمری پر 85 لاکھ ڈالر خرچ کیے تاکہ میسوری میں اسے شکست دی جا سکے۔ کوری بش کانگریس فلسطین کے لیے انصاف مانگتی رہیں۔ وہ سینٹ لوئیس کے پراسیکیوٹر ویز لے بیل سے ہار گئیں۔ کانگریس میں آئی پیک نے فلسطین کے حامی جمال بومین کے مخالف پر ایک کروڑ 70 لاکھ ڈالر خرچ کیے تھے وہ بھی ہار گیا۔ وہ نیویارک پرائمری سے نامزدگی حاصل نہ کر سکا۔ اس صورت حال پر 72 سالہ مادیہ بنجمن نے کہا کہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اسرائیل کے حامی الیکشن خرید سکتے ہیں۔ اس طرح تمام منتخب عہدے داروں کو یہ پیغام جا رہا ہے کہ ایک نسل کشی کے دوران میں لوگ اسرائیل پر تنقید کرتے ہیں تو وہ اپنا سیاسی مستقبل داؤ پر لگاتے ہیں۔

آئی پیک کے لیے حالات زیادہ سنگین تر تب ہوتے گئے جب یہ کہا گیا کہ وہ امیدواروں پر لاکھوں ڈالر صرف کر سکتے ہیں، وہ اس سے بھی زیادہ پاور اور پیسہ لگا سکتے ہیں تاکہ کانگریس کو اسرائیل کا مورچہ بنائے رکھیں اور فلسطین کی حمایت کم کر سکیں لیکن اب کانگریس میں یک طرفہ اسرائیلیت مسلط نہیں کی جا سکتی۔ غزہ کی جنگ نے بہت کچھ بدل کے رکھ دیا ہے۔ اب عوامی سطح پر نفرت بڑھ رہی ہے۔

آئی پیک بہت زیادہ جارحانہ انداز میں سرمایہ اسرائیل کی حمایت کے لیے لگا رہی ہے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اسرائیل نواز نامزد سیکرٹری آف سٹیٹ مارکو روبیو، سیکرٹری دفاع اور صہیونی مزاج سفیروں کے ساتھ امریکی خارجہ پالیسی کیا رخ اختیار کرتی ہے۔ عام امریکی چاہتا ہے کہ امریکی خارجہ پالیسی یکطرفہ نہ رہے۔ فلسطین کے ساتھ زیادتیوں کا ازالہ کیا جائے۔ کیا ٹرمپ ایسا کر سکیں گے؟ ایسا ہوتا دکھائی نہیں دے رہا۔

آئی پیک اور بعض دوسرے لابی گروپ اب کوشش کر رہے ہیں کہ فلسطین کے حق میں بات کرنا باقاعدہ جرم قرار دے دیا جائے۔ ان تنظیموں کو سزا دی جائے جو فلسطین کے الگ ملک اور ریاست ہونے کے حق میں لابنگ کرتی ہیں۔ ان یونیورسٹیوں کے فنڈز روک دیے جائیں جہاں فلسطین کے حق میں اور اسرائیل کی مخالفت میں مظاہرے اور سیمینارز ہوتے ہیں۔ جو بائیڈن حکومت اس سمت میں کام کر رہی تھی۔ کیا ٹرمپ انتظامیہ بھی یہی پالیسی رکھے گی۔ اگر ایسا ہوگا تو یہ پہلی ترمیم کے خلاف اور اظہار رائے پر قدغن لگانے کا آغاز ہوگا۔

سوشل میڈیا، ترقی پسند میڈیا اور بہت آزاد میڈیا نے یہ ممکن کر دکھایا ہے کہ غزہ میں نسل کشی ہوتے ہر امریکی اپنی ٹی وی سکرین پر دیکھ رہا ہے۔ اس وجہ سے عوامی رائے امریکہ میں فلسطین کے حق میں ہو رہی ہے۔ مارچ 2023ء کے گیلپ پول کے مطابق ڈیموکریٹ 43 فیصد اور عام رائے 45 فیصد فلسطین کے حق میں ہو چکی تھی۔ تب غزہ میں اسرائیلی جارحیت کو صرف 5 مہینے ہوئے تھے۔

مئی میں جاری ہونے والے ڈیٹا فار پراگریس پول کے مطابق 56 فیصد ڈیموکریٹ کہہ رہے تھے کہ اسرائیل فلسطین میں نسل کشی کر رہا ہے۔ اسی پول کے جون کے سروے میں کہا گیا کہ 64 فیصد ڈیموکریٹ اس وقت فوری جنگ بندی چاہتے تھے۔ اسرائیل کے غزہ سے انخلاء کا مطالبہ 86 فیصد امریکی ڈیموکریٹ چاہتے تھے۔ جون میں ہی شکاگو کونسل آن گلوبل افیئرز نے غزہ میں 55 فیصد کی شرح سے امریکی فوج بھیجنے کی مخالفت کی تھی۔ بنجمن نیتن یاہو کے خطاب کے موقع پر ڈیموکریٹس کی آدھی تعداد کانگریس سے غیر حاضر تھی۔

آئی پیک اور دوسری لابنگ فرموں کی فائلوں کا جائزہ لیا جائے تو ایک حیرت انگیز انکشاف سامنے آتا ہے کہ اسرائیل شہریوں کو نشانہ نہیں بناتا۔ اس کا حقیقت سے کتنا تعلق ہے، اس بارے میں مارے جانے والوں کی گنتی کی گئی تو پتہ چلا کہ ہزاروں بچے، سینکڑوں نوزائیدہ بچے، ہزاروں عورتیں اور ہزاروں ہی بوڑھے فلسطینی مار دیے گئے۔ غزہ میں بمباری کا اصول یہ رکھا گیا کہ ہر حرکت کرتی چیز کو نشانہ بنایا جائے۔ اس اصول کا اطلاق یوں کیا گیا کہ حرکت کرتی چیز کے ارد گرد ہر عمارت بھی نشانہ بنایا جائے اور ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے لیے ایک ہی ہدایت جاری کی گئی، وہ یہ تھی:

Eliminate Everything

اس کے لیے جواز یہ تراشا گیا کہ حماس نے شہریوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔ یاد رہے کہ عراق جنگ میں امریکہ نے یہی کہہ کر سب پر بمباری کی کہ صدام حسین انسانوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ کسی نے نہیں کہا کہ آپ نے کون سا انسانی ڈھال کا خیال رکھنا ہے۔ اسرائیلی فوج نے نہایت گنجان آبادیوں کو میزائیلوں کی مسلسل برسات سے تباہ کر دیا۔ اس طرح کے حملوں میں سکولوں، یونیورسٹیوں، مساجد اور ہسپتالوں کو بھی نہیں معاف کیا گیا۔ حال ہی میں ایک مقام پر آٹے کے حصول کے لیے قطار میں کھڑے فلسطینیوں پر میزائل برسائے گئے۔ آزاد میڈیا نے اسے Flour Massacre کا عنوان دیا۔ یہ سانحہ اس سال پیش آیا۔ جب لوگ جان بچانے بھاگے تو 100 افراد کو گولیوں سے بھون دیا گیا۔ کچھ لوگ پناہ کے لیے تباہ شدہ عمارتوں کی طرف بھاگے تو انہیں میزائیلوں سے مزید تباہ کر دیا گیا۔

آئی پیک امریکی عوام کو بتا رہی تھی کہ اسرائیل نے غزہ پر امداد کی فراہمی میں رکاوٹ نہیں ڈالی۔ یہ کہا کہ یہ جھوٹی باتیں ہیں کہ غزہ میں لوگ بھوک سے مر رہے ہیں۔ عالمی اداروں نے جائزے لیے ہیں، کوئی ثبوت نہیں ملا۔ امریکی حکومت نے بھی تحقیقات کی ہیں، یہ سب جھوٹ ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ حماس کا پروپیگنڈہ ہے۔ پھر کہا گیا کہ امریکہ نے فضا سے امداد پھینکی ہے اور یہ کہ صدر جو بائیڈن سمندر کنارے امدادی مرکز قائم کر رہے ہیں۔ یہ سب جھوٹ تھا اور ہے۔ یہ جھوٹ سٹیٹ آف دی یونین ایڈریس میں 2024ء میں بولا گیا۔ اور اسے آئی پیک کے ذریعے پھیلایا گیا۔

آئی پیک کا دعویٰ رہا ہے کہ وہ انسانی بنیادوں پر امداد غزہ لے جانے کی حمایت کرتی ہے۔ اس نے امداد کی ترسیل انروا (UNRWA) کے ذریعے کرنے کی مخالفت کی۔

اس جنگ کے شعلے لبنان کے بعد شام تک پھیل رہے ہیں۔ اسرائیل دنیا کا واحد ملک ہے جو موقع پاتے ہی پڑوسی ممالک کو ہڑپ کرنے کے درپے رہتا ہے۔ امریکہ اس کا ساتھ ہیں نہیں دیتا بل کہ پڑوسی ممالک میں جنگ وسیع کرتا ہے۔ اب شام کے حالات بدلتے ہی داعش اور بلاد شام میں نئی جنگ اور شام کے اندر نئی خانہ جنگی مسلط کرنے کی کوششوں میں ہے۔ آئی پیک صہیونیت کا مورچہ بنے امریکی عوام کو نئی جنگی اہمیت جتانے کے کام پر لگا ہوا ہے۔

محمد ضیف کی اہلیہ غدیر صیام [درمیان میں] الجزیرہ نیٹ سے گفتگو کر رہی ہیں: فوٹو بشکریہ الجزیرہ

وہ مجاہدین کا کمانڈر تھا، سب کا خیر خواہ، ایثار کا پیکر تھا
۔۔محمد الضیف کی اہلیہ کی الجزیرہ سے گفتگو۔۔

1۔ جب ہماری شادی ہوئی تو ان کے پاس مہر کی رقم کے طور پر صرف 1000 ڈالر تھے۔

2۔ جب شیخ احمد یاسین نے انہیں شادی کے موقع پر کچھ مالی تحفہ دیا، تو انہوں نے یہ رقم القسام بریگیڈ کے لیے وقف کر دی۔

3۔ شیخ صلاح شحادۃ نے انہیں شادی کے لیے فرنیچر بطور تحفہ دیا، مگر ابو خالد نے وہ فرنیچر ایک اور نوجوان کو دے دیا تاکہ وہ اپنا گھر بسا سکے۔

4۔ جب میں نے یونیورسٹی میں انگریزی کے مضمون میں مشکلات کا سامنا کیا، تو انہوں نے میرے لیے ''کامیابی کا منصوبہ'' بنایا اور سوالات و جوابات کی ایک مکمل گائیڈ تیار کی۔

5۔ وہ اپنے والدین کے جنازے میں شریک نہ ہو سکے اور نہ ہی اپنے کسی بچے کی پیدائش کے وقت موجود تھے۔ جب لوگ مجھ سے پوچھتے کہ میں ہمیشہ اکیلی کیوں ہوں، تو میں کہتی کہ ''میرے شوہر بیرونِ ملک مقیم ہیں۔''

6۔ وہ اپنے بچوں کو خوش کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، اسی لیے انہوں نے سب بچوں کی سالگرہ ایک ہی دن منانے کا طریقہ اپنایا تاکہ وہ سب خوشی کا حصہ بن سکیں۔

7۔ کھانے میں انہیں ملوخیہ (پتوں والی سبزی)، لوبیا، بھنڈی اور اناری دال پسند تھی، اور وہ مجدرۃ (عربی کھانا) پکانے میں مہارت رکھتے تھے۔

8۔ وہ ایک اچھے فٹ بال کھلاڑی تھے، ورلڈ کپ کے شوقین، بارسلونا کے مداح۔

9۔ انہوں نے صرف ایک سال میں 270 غریب گھروں کی تعمیر و مرمت میں مدد کی، لیکن خود اپنے لیے ایک گھر تک نہ بنا سکے۔

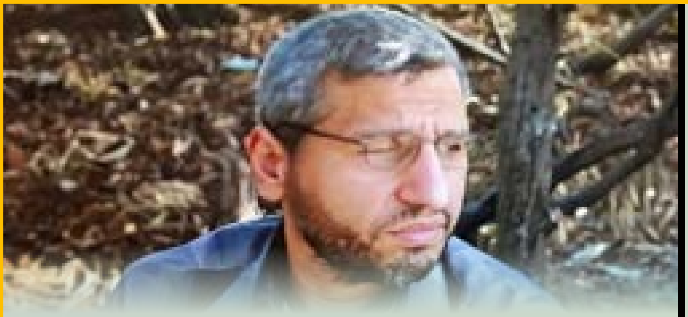

ایک گہرے غم کا دروازہ، میری مرضی کے بغیر، کھل چکا ہے۔
آج میں رو رہی ہوں، اور بے اختیار رو رہی ہوں!
مدتوں بعد، میں نے ایسا رونا رویا ہے!
ہاں، میں سید الرجال پر رو رہی ہوں،
اس سرزمین کے سردار پر، جو اسے خوب پہچانتی ہے،
جسے اس نے اپنی آغوش میں ایک لازوال راز کی طرح سنبھال رکھا ہے،
زندہ بھی، شہید بھی، اور پھر بھی زندہ......
کہ شہداء کبھی مرتے نہیں!
آج، جب میری آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی ہیں اور دل شدید درد سے ٹوٹ رہا ہے،
میرے ذہن میں ایک سوال آیا......
جب صحابۂ کرامؓ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے وصال کی خبر سنی، تو ان پر کیا بیتی ہوگی؟
یقیناً کوئی بھی ان جیسا نہیں،
مگر اپنے ملک کے سردار کو کھونے کا دکھ بھی بہت سنگین ہے!
میں جانتی تھی کہ یہ وقت آئے گا،
ہر بہادر گھوڑے سے اترتا ہے،
ہر سفر کا ایک اختتام ہوتا ہے،
لیکن یہ اختتام بھی اِک نئی زندگی کا آغاز ہے!
یا تو ایسی زندگی جو دشمنوں کو غصے سے پاگل کر دے،
یا وہ دائمی زندگی جو دوستوں کے دلوں کو خوش کر دے
اور دشمنوں کو مزید جلائے!
مجھے حضرت عمرؓ کا وہ لمحہ یاد آ رہا ہے
جب وہ شدتِ غم سے نبی کریم ﷺ کی وفات پر شک کر بیٹھے تھے، اور تب
حضرت ابوبکرؓ نے دلوں کو ہلا دینے والے الفاظ کہے:
''جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، تو محمد ﷺ وفات پا چکے،
اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے، تو اللہ ہمیشہ زندہ ہے، وہ کبھی نہیں مرے گا!''
اور میں زار و قطار رو پڑی!
یہ رونا کسی شکایت یا اعتراض کا نہیں،
بلکہ امت کے محبوب نبی ﷺ کی جدائی کا،
اور امت کے عظیم مہمان، اس سائے والے محافظ، محمد الضیف کی جدائی کا ہے!
لیکن وہ ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہیں گے،
اپنی گونجتی آواز، اپنی بے مثال قربانی،
اور اپنی دائمی بہادری کے ساتھ......
ان کے نشانِ قدم ہمیشہ باقی رہیں گے!
''اللہ ان پر اپنی رحمت نازل کرے،
اور جنت کے اعلیٰ ترین مقامات پر جگہ دے۔''

سمیہ علی غزہ
اخذ و ترجمہ: اسماعیل سعد

پاکستان 15 فلسطینی قیدیوں کی میزبانی کرے گا، حماس کا اظہارِ تشکر

بعض اسلامی ممالک کی جانب سے ''طوفانِ احرار'' معاہدے کے تحت آزاد کیے گئے فلسطینی قیدیوں کی میزبانی کے سلسلے میں، حماس کے ترجمان ڈاکٹر خالد قدومی نے تصدیق کی ہے کہ پاکستان 15 فلسطینی قیدیوں کو خوش آمدید کہے گا، جنہیں اسرائیلی قبضے سے رہائی ملی ہے۔

ڈاکٹر قدومی نے اس عظیم اقدام پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قیادت اور عوام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

ویتخذ منکم شہداء
(اور وہ تم میں سے گواہ بنائے گا)
شہید راہنماء:
رائد ثابت (ابو محمد)
کمانڈر رافرادی قوت، ہیڈ سپلائز یونٹ
شہید راہنماء:
غازی ابو طماعہ (ابوموسیٰ)
کمانڈر روپین اور کامبیٹ سروسز
شہید راہنماء:
مروان عیسیٰ (ابوالبراء)
ڈپٹی ملٹری کمانڈر
شہید راہنماء:
رافع سلامہ (ابو محمد)
کمانڈر خان یونس بریگیڈ